



سرزمین بھیرہ میں علم و عرفان کی بارش 287

طالبان علوم دینیہ کو مؤثرہ جانفزا سے خورسند
کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم عزیزہ جامع مسجد بھیرہ
میں دورہ حدیث شریف و دیگر فتوون کی تعلیم
و تدریس کیلئے بہترین اساتذہ کی خدمات
حاصل کر لی گئی ہیں شائقین حضرات کو
مطلع کیا جاتا ہے کہ داخلہ چھ سوال سے بیس
سوال تک کولا رہیگا۔

۱۷

بیگانہ نہ ہو کر ہمارے ساتھ ہو
مولا نا الحاج افکار احمد صاحب گوی فرماں بردار

مختار ادارہ

مولانا الحاج افکار احمد صاحب گوی میر خرباک نصار بھیرہ

مدیر مسئول

غلام حسین

مہربان

عوام سے
معاذین سے
طلبہ سے

۷۸۶

ماہنامہ

شمس الاسلام

سالانہ چندہ

عوام سے /
معاونین سے /
طلبہ سے /ہر انگریزی ماہ کی
گیارہ تاریخ کو
پابندی وقت سے
شائع ہوتا ہے

جلد ۲۰ بھیڑ مغربی پنجاب - بابت ماہ رمضان المبارک مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۹ء نمبر ۷

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان مضمون	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۱	بزم انصار	ادارہ	۴
۲	شذرات	"	۵
۳	تعلیمات اسلامی	"	۱۳
۴	ختم نبوت	"	۱۴
۵	اسوۂ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی	"	۱۱
۶	فلسفۂ اجتماعیت	مولانا محمد فاروق صاحب - لاہور	۲۶

سُرخ نشان ○

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے
آئندہ ماہ کار سالہ بذریعہ وی۔ پی۔ ارسال ہوگا۔ جس کے زائد انواتھا
سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نہو
توا طلاع دیں۔ خدا را وی۔ پی۔ واپس فرما کر ایک اسلامی ادارے کو نافع نقصان نہ پہنچائیں
خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (غلام حسین منیر)

باہتمام غلام حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، شانی برقی پریس سرگودھا سے چھپ کر بھیڑ پاکستان سے شائع ہوا

بزم انصار

کارکردگی حزب انصار جامع مسجد بھیرہ

دارالعلوم غزنیہ

جامع مسجد بھیرہ میں ۲۷ ارب شعبان کا مبارک و باسعادت وقت ہمیشہ کے لئے یاد رہے گا۔ جبکہ حضرت شیخ الحدیث مولانا خدا بخش صاحب کی ایمان افروز تقریر اور تحریر کا تکبیر و تحمیل میں بخاری شریف ختم ہوئی اور فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کرائی گئی۔ اور رمضان المبارک کی تعطیلات کر دی گئیں۔ دارالعلوم غزنیہ کا آئندہ سال داخلہ لہر سوال کو کھلے گا۔ ختم بخاری شریف کے بعد تمام معاونین حضرات کے لئے دعائے خیر کی گئی کہ اللہ کریم ان کو دینی خدمت کی پیش از پیش توفیق بخشے۔ آمین۔

تقسیم اسناد

فارغ التحصیل طلبہ کو اسناد اوس وقت نہ دی جا سکیں۔ کیونکہ ابھی تک طبع نہ ہو سکی وہ۔ سے بروقت نہ پہنچ سکیں۔ کارکنان دارالعلوم غزنیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ تقسیم اسناد کیلئے کسی موقعہ پر جلسہ کیا جائے۔ جلسے کی تاریخ کا اعلان عنقریب کیا جائیگا۔

درجۃ القراءۃ

قاری محمد شریف صاحب رمضان المبارک میں بھی یہیں قیام کریں گے۔ اور تقسیم باقاعدہ جاری رہیگی۔ میں رمضان شریف میں بھی قرآن مجید کی تعلیم جاری رہیگی۔

درجۃ الحفظ

مندرجہ ذیل مقامات پر سالانہ دورہ کیا گیا۔

دارالمبلغین

محترم امیر حزب الانصار مڈفلہ العالی نے چادہ۔ سرگودھا۔ چک رمداس۔ نور خانوالا۔ چک نمبر ۸ گھوڑپور۔ دیرہ سیکھاں والا۔ پرانا چہ۔ چک شیخاں۔ سپانی۔ گنگوال۔ سدہ کمبہ۔ بھاواریاں۔ نہ وغیرہ۔ مولوی محمد امان اللہ شاہ صاحب مبلغ حزب الانصار نے چادہ۔ نسئی۔ پنڈی۔ رانجیا نوالہ۔ چک نمبر ۱۹ شمالی۔ بجن۔ چک میانہ۔ نصیر پور۔ مڈہ رانجھا وغیرہ۔ صاحبزادہ محبوب الرحمن صاحب نے۔ جھادہ۔ چک نمبر ۱۹۔ چک نمبر ۲۴۔ زرقین۔ سردار پور۔ گھوڑپور۔ سلطان پور وغیرہ۔

مولوی محمد امین صاحب نے۔ حافظ آباد وغیرہ کا دورہ کیا۔

رسالہ شمس الاسلام کے سائز میں تبدیلی

رسالہ شمس الاسلام کافی عرصہ سے ۱۱ ۱/۲ سائز میں طبع ہوتا رہا۔ پہلے سال ماہ جولائی میں کاغذ کی مشکلات کی بنا پر سائز ۱۱ ۱/۲ سے ۱۱ ۱/۲ کر دیا گیا ہے۔ (منیجر)

شدات

(اداریہ)

پاکستان میں اسی عربیہ کا مستقبل

مشترکہ ہندوستان میں انگریزی دور اقتدار و استیلاء کے بعد قرآن و حدیث کے علوم و محارف کی حفاظت،

شاہراہ کی تعظیم اور مذہبی آثار و علائم کے بقا و تحفظ کا سادہ کام ان مدارس عربیہ کے ذریعہ سرانجام پاتا رہا۔ جو مختلف شہروں، قصبات و دیہات میں علماء کرام نے ہر طرح کی مصیبتیں، مشقتیں اور پریشانیاں برداشت کر کے قائم کئے تھے۔ ایک کافرانہ نظام حکومت کو ان اسلامی یادگاروں سے محبت تو کیا ہوتی بلکہ ہر ممکن حربہ سے انکو یہ نظام تحصیل فنا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور علم دین و علماء کے وقار کو ختم کر دینے کے لئے انگریزوں نے خود پس پردہ ٹھیکر اپنے اُن چیلوں چاتوں سے کام لیا جو کہ رنگ و نس کے اعتبار سے ہندوستانی اور خاندانی طور سے مسلمان تھے لیکن انکے دل و دماغ اور انکے فطریات و خیالات انگریزوں کے تھے۔ مگر علماء کرام کی یہ جفاکش جماعت کچھ ایسی سخت جان اور ارحم واقع ہوتی ہے کہ ہمیشہ سے ہر انقلاب کی چمکی کے پاؤں میں آکر زندہ نکلی ہے۔ اور جتنی دباؤ لگتی ہے اتنی ہی ابھرتی چلی آتی ہے۔ اسلئے انگریزی سیاست اپنے مقصد میں پورے طور سے کامیاب نہ ہو سکی۔ اور ہندوستان میں اسلام کے واضح نشانات اور دینی مراکز قائم رہے۔ اور مسلمانوں کا جذبہ ایمانی انکی برکات سے محفوظ رہا۔ سالانہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد آزادی ملی اور اسکے ساتھ ملک تقسیم ہوا۔ بڑے عظیم ہند، انڈیا اور پاکستان دو حصوں میں بٹ گیا۔ اکثر مدارس عربیہ اور مراکز دینیہ اور جیہ و مستند علماء اس حصہ ملک میں تھے جو تقسیم کے بعد لاد مذہب جمہوری حکومت۔ یا بہ الفاظ صحیح تو ایک متعصب ہندو اکثریت کے قبضہ و تصرف میں آ گیا۔ وہ حصہ اُن طرح طرح کی پریشانیوں اور تاریک مستقبل کے مہیب تصورات میں مبتلا ہو کر اپنے مستقبل کو روشن کرنے کی فکر میں لگے ہوتے ہیں۔ اور اپنے لئے انوں کے موافق جو کچھ علاج وہ تلاش کرینگے وہ ان کا کام ہے۔ ہم پاکستان کے ساحل پر بیٹھ کر اب انڈیا کے طوفانوں میں گھرے ہوئے مسلمانوں کے صرف تماشائی ہیں اور ہم کو اب کوئی حق حاصل نہیں کہ انکے مسائل میں دخل انداز ہو کر انکے لئے مزید پیچیدگیاں پیدا کریں۔

ہم کو تو خود کر کے یہ دیکھنا چاہئے کہ علوم دینیہ امتیاز اللہ اور مدارس عربیہ اور مذہبی کتب و کتابا مستقبل پاکستان میں کیا ہے؟ اور ہم کو خود جدوجہد اور پوری سعی و ہمت کیساتھ یہ کام سرانجام دینا چاہئے کہ کیا ان کے لئے کوئی معقول و حوصلہ افزا انتظام ہو جائے۔ مشرقی پاکستان کے متعلق ہزار میل کی دوری اور ہر طرح کی اجنبیت کیوجہ سے ہم کو کچھ معلومات حاصل نہیں۔ البتہ مغربی پاکستان کے متعلق دیکھ کر اندازہ لگایا جاتا ہے۔ کہ مدارس عربیہ کی قلت، علماء کرام اور خدام و مدرسین حضرات کی بے قدری، طالب العلموں کی بے علمی علوم کی طرف رغبہ کو فیوالی چیزوں کا باکلیہ فقدان اور ان سے برگشتہ کر نیوالے اسباب و عوامل کی روز افزوں کثرت، ادب و ثروت

عجالت حکومت اور برسرِ اقتدار طبقہ کی نہ صرف بے قوجی بلکہ علوم دینیہ اور علماء دین کے ساتھ بعض وعناد اور تحقیر و تذلیل کی روش، اس قسم کے اور بہت سی وجوہات کی بنا پر یہاں مغربی پاکستان میں مدارس عربیہ اور علوم دینیہ کا مستقبل کچھ تاریک سا نظر آتا ہے۔ صوبہ سرحد میں برائے نام دو تین مدرسوں کے علاوہ اور کہیں باقاعدہ نظام تعلیم و تدریس نہیں۔ مغربی پنجاب میں چند شہروں اور قصبہ جات میں درس نظامی کی ابتدائی اور اتمامی کتابیں پڑھانے کیلئے مدارس عربیہ کا کچھ انتظام موجود ہے۔ مگر ضرورت کے اعتبار سے وہ بھی بہت ہی معمولی کام ہو رہا ہے۔ اور ان مدارس کے ہتھمیں کو جن جن مشکلات سے گذر کر سال ختم کرنا ہوتا ہے انکو وہ حضرات خوب جانتے ہیں جسکو کہیں اس دور میں کسی مدرسہ کے نظام چلانیکا تجربہ ہو چکا ہو۔ سندھ اور بلوچستان میں بھی صرف چند مقامات پر کچھ معمولی سا انتظام موجود ہے۔ امد مدرسہ کی شکل میں تدریس کتب ہو رہی ہے۔ اور بس۔ تمام مغربی پاکستان میں کوئی ایسا مدرسہ نہیں جسکو مرکز ہو سکی وہ حیثیت حاصل ہو جو دارالعلوم دیوبند کو حاصل رہی ہے۔ اور جس کے فارغ التحصیل طلبہ کو ہر لحاظ سے مستند قرار دیا جاتا ہو۔ ہر جہاں ہمت اندھیروں میں یہ چند ٹمٹاتے چراغ جن کے بجھانے کیلئے زور دار آندھیاں چل رہی ہیں کب تک روشن رہ سکتے ہیں۔

بظاہر حالات حکومت کا رویہ بھی جیسا کہ اب تک غیر ہمہ ردانہ بلکہ معاندانہ رہا ہے۔ آئندہ بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مغربی تعلیم اور محاذ افکار و نظریات کا زہر قوم کے افراد میں مزید سرایت کرتا اور انکے دل و دماغ کو مآؤف کرتا ہے۔ اسلئے افراد قوم کی انفرادی حوصلہ افزائیوں کا دائرہ بھی سمیٹا چلا جاتا ہے۔ اب جبکہ ”ہوا مخالف و گل بے“ کا ولالہ دور ”گم“ ہے۔ اور جس طرف بھی دیکھا جائے ”شب تاریک ویم موج و گرداب چنیں لالہ“ کا نقشہ سامنے ہے۔ سوائے اسکے اور کوئی صورت نہیں کہ دیندار اور مذہب و علوم دینیہ سے عشق رکھنے والے حضرات اس مسئلہ پر غور کر کے کوئی تدبیر سوچیں اور مستقبل کو روشن رکھنے اور پاکستان میں مدارس عربیہ اور دارالعلوم دینیہ کے بقا و تحفظ کیلئے کوئی متحدہ اقدام کریں۔ خصوصاً مدارس عربیہ کے متحمم صاحبان کچھ مدت میں عرض ہے کہ وہ ضرور اجتماعی صورت میں اس بارے میں کوئی ”مجمعہ عمل“ طے کر کے کام شروع کریں۔

اس سلسلہ میں بنیادی طور سے ضرورت دو چیزوں کی خاص ضرورت ہے۔ اور اس بارے میں پورے اشار و قربانی اور خلوص قلب کے مظاہرہ سے کام لینا ہوگا۔ اگر حالات کی نزاکت کا احساس نہ کیا گیا۔ اور خوبصورتی و غور و نفس کو خودداری و استغناء کے عنوان سے، اور خودداری و خود سمرانی کو مستقل ”خدمت دین“ کے نام سے اختیار کیا گیا تو اس کا انجام بقینا بڑا ہی ہوگا۔

پسلی بات ایک تو صاحبِ تعلیم میں ضرور مناسب ترمیم و ترمیم کی جائے۔ بعض وہ علوم اور کتابیں ہیں جن پر غور و فکر کی ضرورت اس دور میں کچھ بھی نہیں۔ نہ وہ دین میں داخل اور نہ دنیا کیلئے کوئی مفید، عرفِ کلمی پر کلمی مار کر اختیار کی گئی ہیں۔ معاذ اللہ۔ اگر علماء اور سلف کی توہین نہیں کر رہے ہوں۔ اس دور میں اسوقت کے حالات و ماحول کی بناء پر انکی ضرورت تھی اور اسکی ضرورت کا

احساس کر کے ان حضرات نے ان غیر مذہبی علوم و کتب کو داخل نصاب کر دیا تھا۔ اب وہ ضرورت نہیں رہی زماہ کے تقاضے اور علمی بیاقت و مہارت کے معیار بدل گئے ہیں۔ اسلئے اکابر کی پیروی یہ ہے کہ ان کے اصول کو اپنایا جائے اور انکی طرح ضروریات زماہ کو سمجھ کر سائنس، علوم و فنون اور جدید کلاں کو داخل نصاب کر کے طالب العلموں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ تمام مسائل حاضرہ پر ذہنی طور سے سیر حاصل تبصرہ و تنقید کر سکیں۔ نصاب تعلیم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ طریق تعلیم و تدریس میں بھی کچھ تعویڑی بہت ترمیم کی ضرورت ہے۔

دوسری بات

دوسری اہم چیز یہ ہے کہ اب تک جس طرح ہر تعلیمی اور آپس میں بے تعلقی اور اجنبیت رہی ہے، ختم کر دیا جائے۔ اگر بالکل ایک ہی نظام کے ماتحت سارے مغربی پاکستان کے مدارس عربیہ نہیں آسکتے، اور ملی کمال اس میں کچھ عملی دشواریاں ہیں۔ تو کم از کم یہ قوفی کمال ہی کرنا چاہئے۔ کہ چند متفقہ اصول اور باہمی طے شدہ قواعد و ضوابط کے ماتحت سب کا ایک وفاق قائم کیا جائے اندرونی طور سے ہر مدرسہ اپنے نظام کو چلانے میں خود مختار ہو۔ لیکن مشترکہ امور میں ہر تمام مدارس ایک ہی پالیسی کے پابند ہوں۔ کسی اخلاقی یا تعلیمی عزم کی وجہ سے اگر ایک طالب علم کسی مدرسہ سے نکالا جائے تو وہ کسی دوسرے مدرسہ میں داخل ہو سکے۔ اپنے حقوق و مراعات کیلئے اگر کوئی جدوجہد کرنی ہوتی ہے تو سب کی مشترکہ ہوگی۔ چند مناسب و موزون مدارس کو صوبہ کی مرکزیت کے لئے منتخب کیا جائے۔ اور صرف وہاں پر دورہ حدیث کا مکمل اور عمدہ انتظام کیا جائے۔ اور پھر تمام مغربی پاکستان کیلئے ایک مرکز متعین کیا جائے۔ جہاں کی علمی حیثیت سب سے زیادہ اور مستند مانی جائے۔ اور دوسرے مدارس طالب العلموں کی جماعتیں تیار کر کے وہاں بھیج دیا کریں۔ اور خاص اصول و ضوابط کے ماتحت وہاں کا نظام ہر لحاظ سے ایسا مکمل اور قابل فخر ہو۔ جو کسی مرکز کیلئے ضروری ہوتا ہے۔

مگر یہ سارے امور اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں۔ جبکہ متعین مدارس عربیہ آپس میں مل شیجہ کیلئے غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائل پور کے ارکان نے اس ضرورت کو محسوس کر کے اس قسم کے اجتماع کا ارادہ کیا ہے۔ اور شوال کے عشرہ اولیٰ میں تمام متعین مدارس کو لائل پور میں جمع ہو کر فیصلہ کرنیکی دعوت کا نتیجہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو ہمت و استقلال عطا فرمائے۔ اور متعین مدارس اور دوسرے دیندار مسلمانوں سے عرض ہے کہ وہ ضرور اس اجتماع میں شامل ہو کر مدارس عربیہ کے مستقبل کیلئے کوئی واضح لائحہ عمل سوچیں۔

قرارداد مقاصد کے تعلق سے اور پاکستانی محکموں کا عمل

قرارداد مقاصد کے ذریعہ آئینی زبان میں کلمہ طیبہ پڑھ کر پاکستان کی ریاست کو مسلمان بنایا گیا ہے۔ اس آئینی کلمہ طیبہ کا تقاضا ہے۔ جیسا کہ خود قرارداد مقاصد میں واضح طور سے بیان بھی کیا گیا ہے۔ کہ یہاں کے مسلمانوں کی تمام انفرادی اور اجتماعی زندگی اس

سانچے میں ڈھالی جائے گی۔ جو کتاب و سنت میں مسلمانوں کیلئے متعین کیا گیا ہے۔ یعنی اس قرار داد کی رو سے ریاست پاکستان کا یہ فرض ہوگا۔ کہ وہ صرف تماشائی بن کر لوگوں کی زندگی کو اسلامی بننے کا مجرد و غلط نہیں کرے گی بلکہ وہ پوری سعی و کوشش کے ساتھ مسلمانوں کی زندگیوں سے غیر اسلامی اعمال و اطوار کو نکال نکال کر ان کو خالص قرآن و حدیث کی بتائی ہوئی زندگی پر مجبور کرے گی۔ اب اس اقرار کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ حکومت پاکستان کے ہر شعبہ میں اسلامی زندگی کے آثار نمایاں ہونے لگتے۔ یقیناً مکمل تبدیلی میں تو کافی دیر لگتی ہے۔ فطری رفتار کو ہم سب جانتے اور مانتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس بارے میں کہیں اسلام کی طرف رخ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ انگریز کے کافرانہ نظام حکومت کی جو یادگاریں جس غیر اسلامی شکل و صورت میں باقی رہ گئی ہیں۔ بالکل اسی کافرانہ طرز و انداز کے ساتھ ان کو باقی رکھا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ترقی منکوس کی صورت ہے۔ یعنی اسلامی انداز اختیار کر نیکی بجائے غیر اسلامی اطوار کو اپنا یا جا رہا ہے۔ سینماؤں کی رونق دن بدن بڑھاتی جا رہی ہے۔ اور فحش و مضرب اخلاق فلموں اور آبرو باختہ عورتوں کے گانوں سے نوجوانوں کے اخلاق پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے۔ ریڈیو پروگرام میں تھوڑی دیر تلاوت قرآن مجید اور کچھ غزلوں کے علاوہ باقی سب وقت فضولیات اور گانوں، غزلوں کیلئے وقف ہے۔ اور پھر "اسلامیت" کا یہ مظاہرہ اور بھی درد انگیز ہے کہ ہر رجب کی رات کو جو معراج شریف کی رات کے نام سے عام طور سے مشہور اور تاسخ نبوت کی ایک خاص یادگار ہے۔ اس رات کو بھی ریڈیو پروگرام میں بے حیا عورتوں کی غزل سرائیوں، ٹھوٹک اور باجوں گانوں اور گلہ پھاڑ پھار کر چٹختے چلانے والے قوالوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ خواجہ شہاب الدین صاحب نے محکمہ ریڈیو کے اپنے ماتحت افسروں سے یہ کبھی نہیں پوچھا کہ تم اپنے عمل سے ہماری متفقہ قرار داد مقاصد کی یونٹ کیوں پیدا کر رہے ہو۔ "مقاصد پاکستان" کے خلاف تم یہ غداری کیوں کر رہے ہو۔ چکو خدا و رسول کے سامنے، قوم کے سامنے اور تمام دنیا کے سامنے رسوا و شرمندہ کیوں کر رہے ہو۔ ایک طرف تو ان وزراء کی شدت احساس کا یہ عالم ہے کہ اگر کبھی کسی مسلمان نے خدا و رسول کا ایسا حکم پیش کیا جس کی روشنی میں ان کے قبائے اقتدار کے سیاہ دھبے نمایاں ہونے لگتے ہیں تو فوراً ہی احتساب شروع ہو جاتا ہے اور اسکو "مقصد پاکستان" کی مخالفت قرار دیکر اسکو طرح طرح سے ستایا جاتا اور اسکی زبان و قلم کو روک دیا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اسقدر غفلت و بے حس ہے کہ پاکستان میں خدا کی حاکمیت تسلیم کر نیکی باوجود خدا کے باغیوں کو ہر طرح کی بغاوت کی کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ بلکہ جو سب سے زیادہ باغی و نافرمان ہے وہ زیادہ مقرب بارگاہ ہے۔ اور جو بغاوت و سرکشی میں زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے وہ اسی انداز سے سخت اقتدار پر زیادہ اونچا چڑھایا جاتا ہے۔ خدا سے بغاوت کی ان حوصلہ افزائیوں کے انجام بد سے کیا یہ وزراء و امراء بے فکر بیٹھے ہیں؟ خدا کیواسطے یہ ملزوم انداز بدلیں ورنہ امنڈنے والے بادل کسی بڑے طوفان و سیلاب سے ڈرا رہے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم کے عقیدہ مند | علامہ اقبال مرحوم دوسری خصوصیات اور

کمالات علم و فن کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی مشہور ہیں کہ پاکستان کا اور مسلمانوں کی علیحدہ حکومت و اقتدار کا تخیل سب سے پہلے انہوں نے قوم کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور انہی کا بتلایا ہوا علاج تھا جسکو قوم کی عظیم اکثریت نے ہندوستان کی سیاسی چھید گیوں کا آخری حل اور مسلم قوم اور مسلم قومیت کے بقا و تحفظ کا واحد و ذریعہ قرار دیکر اپنا اور بد و جہد کے بعد کامیابی حاصل کی، اس لحاظ سے اقبال مرحوم کیسے پاکستان کھلایا جاتا ہے۔ اور آج ہماری قوم کے نوجوان اقبال کو اپنا ذہنی پیشوا، حکیم الامت، حکیم مشرق اور کیا کیا سمجھتے ہیں۔ انکے اشعار کو سن سنکر سر دھتتے ہیں۔ مصرعہ مصرعہ پر داد دیتے ہیں اور اقبال کے نام سے ادبی انجمنیں منعقد کرتے، اخبار و رسائل جاری کرتے، ادارے اور مراکز قائم کرتے اور پوری شان و شوکت کے ساتھ یوم اقبال مناتے ہیں۔ ریڈیو پر خوش گلو مغنیات اور قوالوں سے اقبال مرحوم کی غزلیں کمر بائی گھروں کے ذریعہ مقام فضا میں پھیلائی جاتی ہیں۔ اور حکومت پاکستان کی طرف سے بھی اظہار عقیدت و اخلاص کے طور پر اقبال مرحوم کی آخری آرام گاہ پر ہوائی جہازوں سے گلپاشی کی جاتی ہے۔ سب کچھ ہو رہا ہے اور جہاں تک خواہر و غالی کا تعلق ہے پوری قوم اقبال مرحوم کی عقیدت و محبت میں سرشار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں نگاہوں سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ویسے کس نہانت این مسافر۔ چم گھٹ و باگ گھٹ واد کجا بود۔ اقبالؒ کی تعلیمات کو جس بے دردی کیساتھ پامال کیا جاتا ہے۔ اور اسکے حکیمانہ اشعار کی جس طرح جعلی توہین و تحقیر کی جا رہی ہے اسکی نظیر شاید اور کہیں نہیں ملتی۔ ایک مشہور لطیفہ ہے۔ اقبال مرحوم سے ایک شیعہ دوست نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بڑا مظلوم کون ہے؟ اس کا خیال یہ تھا کہ شاید علامہ جواب میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بتا کر میرے نظریہ و عقیدہ کی تائید فرمائیں گے۔ مگر علامہ نے فوراً ہی فرمایا۔ کہ دنیا میں سب سے بڑا مظلوم قرآن مجید ہے! اور فرمایا کہ قرآن پر سب سے بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے۔ کہ فلاں صاحب ایک بے عمل و بے علم انگریزی تعلیم یافتہ علامہ کا نام لیکر آج کل اسکی تفسیر لکھ رہے ہیں پس کچھ اسی قسم کا معاملہ خود اقبال مرحوم کی ذات کیساتھ بھی ہو رہا ہے۔ سب سے بڑا مظلوم اس سچاے کی مظلومی یہ ہے کہ اس کا بڑے سے بڑا معتقد عمل زندگی کے لحاظ سے اقبالؒ کی تعلیمات کو پامال و رسوا کر رہا ہے۔

آج کی سبقت میں ہم اقبالؒ کی دوسری تعلیمات اور خصوصی نظریات کے متعلق قوم کے بہادر وادارہ وچہ ذرا چھوڑ کر ایک اہم بنیادی نظریہ کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ علامہ مرحوم کی تعینفات پر نظر رکھنے والوں اور انکے ساتھ قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ احمدیت کے متعلق انکے خیالات و افکار کیا تھے۔ مرزا فانی نبوت کو، اور قادیانیت کے اس کا دہار کو وہ کن نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک طویل سلسلہ مضامین میں انہوں نے اس فرقہ کے مذہبی اور سیاسی مضمرات کا اور مسلمانوں کیساتھ ان کے اشتقاق اور انکو مسلم قرار دینے سے لیکن بڑے عواقب کے خطرات وابستہ ہیں ان سب کا آپ نے تفصیل کے

ساتھ ذکر کر کے یہ فرمایا تھا کہ حکومت سے مسلم قوم کا مطالبہ یہ ہے کہ اس فرقہ کو مسلمانوں میں سے نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اسکو ایک علیحدہ اقلیت قرار دیکر مستقل طور سے ایک غیر مسلم اقلیت کے حقوق دئے جائیں۔ اب مؤسس پاکستان کی یہ پختہ رائے دیکھتے اور دوسری طرف حکومت پاکستان سے بیکر اقبال مرحوم کے عام عقیدہ مندوں اور عاشقوں تک کو دیکھتے کہ وہ اسلام کے نام پر حاصل کئے ہوئے پاکستان کی اسلامی حکومت میں تمام کلیدی محکموں پر مرزائیوں کو مسلمان ہونے کی حیثیت کے ساتھ ساتھ قابض و متصرف کئے ہوئے ہیں۔ اور انکے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرتے اور ہر کام میں ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ سر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ کے اہم عہدہ کے علاوہ دفاع فوج اور دوسرے اہم محکموں میں ہر جگہ مرزائی ہی مرزائی نظر آئیں گے۔

ترتیب اقبال کے ارد گرد حلقہٴ امداد باندھنے والوں سیم بروں زہرہ و شوں اور عقیدت کیشوں سے پہلے درخواست ہے۔ کہ خدا را۔ اگر کسی عالم دین کی دیں و برہان سے آپ اثر قبول نہیں کرتے تو اقبال مرحوم کے تقویٰ و دہلیں کو تو دیں راہ بنا کر مرزائیت نوازی سے توبہ کرو۔ اور مرزائیوں کو ایک علیحدہ اقلیت قرار دیکر مسلمانوں کے ذمہ سے ان کو خارج کرو۔

آتشبازی اور مسلمان

دو سال سے ہندوستان میں غیر مسلموں نے ہندوؤں پر ہین گمنوں اور بموں کے ذریعہ مسلمانوں کیساتھ جو آتشبازی کی ہے۔ کیا وہ آتشبازی بھی مسلمانوں کو آتشبازی سے توبہ کرانے کے لئے کافی نہ تھی؟ اگر کچھ بھی غیرت و محبت ہوتی تو مصائب میں گہری ہوئی قوم ایسی حالت میں کہ لاکھوں مسلمانوں کو کھانے کیلئے دوٹی کا کھڑا، لاکھوں پردہ داروں کو پردہ پوشی کے لئے کپڑے کا کھڑا نہیں ملتا۔ اور ہزاروں معصوم و پاکباز بچیاں اور عورتیں غیر مل کے بیچہ ظلم میں گرا رہی ہیں۔ آتشبازی اور سود و لعب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔ مگر کچھ ایسا بھی نظر آتا ہے کہ یہ محبت نام تھا جس کا گئی تیرہ کے گھر سے۔

اس دفعہ حسب دستور ماہ شعبان میں آتشبازی و آتش باری کا مشغلہ عموماً جاری رہا۔ گجرات اور ایشاد میں آتشبازی کی برکت سے تباہ کن آگ بھی لگی۔ لاکھوں کا مال جل کر راکھ ہو گیا۔ کتنی دکانیں تباہ و برباد ہو کر خاکستر ہو گئیں۔ اور مال کے ضیاع سے زیادہ موجب افسوس یہ ہے کہ انسانی جانیں بھی ضائع ہو گئیں۔ لیکن اسقدر شدید نقصان کے باوجود مسلمانوں نے از خود کہیں بھی عبرت گیر ہو کر آتشبازی کا ہندوؤں کا مشغلہ نہیں چھوڑا۔ اور ضرورت محسوس ہوئی کہ حکومت کے قانون کے زور سے انکو اپنے اعمال کو الگ بنانے سے روکا جائے۔ چنانچہ بعض اضلاع میں ڈپٹی کمشنروں نے امتناع کے احکام جاری کئے۔ لیکن جب معاشرہ میں خود برائیاں اپنی جڑیں دوڑ رہی ہیں پھیلا چکی ہیں اور عام افراد قوم سے احساس گناہ تم ہو کر نیکی کا بندہ مفقود ہوا ہو تو صرف قانون کے زور سے پوری کامیابی کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلئے قانون کے گر ان کارکنان حکومت نے بھی اس کے اجراء و نفاذ میں کوئی خاص سعی نہیں کی۔ اور لوگوں نے

بھی قانون اتنار کے باوجود اپنا شوق پورا کیا۔ یہ صورت ہمیں اپیل کرتی ہے کہ جب قوم میں غفلت و بے پرواہی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے اور ایک ایسے گناہ کے ارتکاب سے بھی باز آنے کی عطاوار نہیں جس کے مضر اثرات ہاں کو خود بخود آگ لگا لے کے علاوہ یہ محسوس بھی ہوئے کہ تھوڑی دیر میں اپنے ساتھ دوسرے کتنے ہی بے گناہ بھی چلا ڈالے۔ تو زیادہ سے زیادہ جدوجہد کی جائے اور بیمار کی شدت مرض کو دیکھ کر طبیعوں کو زیادہ ہمت و سعی کے ساتھ معالجہ کرنا چاہئے۔ قوم کی ان بے دردیوں کو دیکھ کر جن مصلحین کے دل درد مند ہو جایا کرتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ حدی خوانی کو تیز کریں۔ اور محمل کی گراں باری کو کم کرنے کے لئے اپنے آپ کو ذرا محنت میں ڈالیں۔

تقریباً شمس الاسلام کی خدمت میں بیس سال کے عرصہ مدید میں رسالہ شمس السلام نے مذہب و ملت کی جو خدمت کی ہے اور

قارئین شمس الاسلام کی خدمت میں

باطل فرقوں کے حملوں سے جس بے جگری سے ممانعت کر کے اپنا فریضہ ادا کیا ہے قارئین سے وہ مخفی نہیں۔ ہر دور میں حالات کے اعتبار سے خدمت کی نوعیت مختلف ہو جایا کرتی ہے۔ اس لئے ہم نے اصل مقصد خدمت و تبلیغ دین کو سامنے رکھ کر مختلف دور میں مختلف قسم کے مضامین کو اہمیت اور نمایاں حیثیت دی۔ کبھی رد ورفض میں زوردار مقالات اور دلائل وبراہین پیش کر کے اس فرقہ باطلہ کا منہ بند کیا۔ جو قرآن مجید اور حضرات صحابہ کرام کے بغض و عناد میں دیوانہ ہو کر سب وشم کے لئے منہ کھولے ہوتا ہے۔ کبھی رد وراثت کو نمایاں حیثیت و اہمیت کے ساتھ اپنا نصب العین بنایا۔ اور قادیانی ثبوت اور لاہوری مسیحیت کے قلندر باطلہ کو مسار کرنے کیلئے ایسے مضامین نشر کئے۔ جو ایم ہم سے کم نہ تھے۔ اور بھدا اللہ اس سلسلہ میں ہم نے وہ کام کیا ہے جو شاید ہندوستان بھر میں اور کسی ایک دو اداروں نے کیا ہوگا۔ اس کے بعد مشرقیت و خاکساریت کا فتنہ اٹھا۔ تو اسکی سرکوبی کے لئے ہم نے دلائل وبراہین کا البرز شکن گرد ماہوار کی بجائے پندرہ روزہ شمس الاسلام کی صورت میں قوم کے سامنے پیش کیا۔ اور خدا کا فضل و کرم ہے کہ اس بارے میں اس نے باقی حزب الانصار مولانا ظہور احمد صاحب مرحوم کو خصوصی امتیازات عطا فرمائے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اہم ترین مقصد اور بنیادی خدمت دین یہ تھی کہ اس ریاست کو مسلمان بنانے کی سعی کی جائے۔ اور ارباب اقتدار و اختیار کو آمادہ کیا جائے۔ کہ جب پاکستان اسلام ہی کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ اسکی عظیم اکثریت قریب بہ کل آبادی مسلمانوں کی ہے۔ اسلئے یہاں قرآنی نظام اور اسی قوانین کے سوا اور کوئی قانون جاری ہونا چاہئے۔ اس سے ہم نے دو سال سے رسالہ میں بیشتر حصہ ایسے مضامین و مقالات اور شذرات کا رکھا جو اس مقصد کی طرف قوم کے ذہن کو لے آئیے ہوں۔ بھدا اللہ اس سلسلہ میں بھی کئی بار آور ہوئی۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے قارئین نے ان مضامین سے بڑا اچھا اثر قبول کیا ہے۔ اور ہمارے حلقہ احباب کا ذہن ان مسائل میں بالکل صاف اور سنجیدہ رہا۔ مطالبہ کی پوری حقیقت کو سمجھ کر، اور دینی تقاضوں کو جان کر، اور اس سلسلہ

میں فطری اور طبعی تدریج کے مناسب مراحل کو ضروری قرار دیکر اس مطالبہ میں دوسرے دینی اداروں کے ساتھ ہم آہنگ ہوا۔ اور ہماری اور دوسری مذہبی جماعتوں کی سعی پیہم ہی کی برکت سے ۱۲ مارچ کو قرارداد مقاصد منظور ہوئی۔ جس کے بعد ریاست پاکستان کی سابقہ حیثیت بالکل بدل گئی۔ اب قرارداد کے بعد دوسرا اہم مرحلہ اس سے بھی زیادہ نازک تر اس قرارداد کے مطابق دستور مملکت کی تدوین ہے۔ ہماری آئین ساز اسمبلی کے تمام ممبروں کی۔ سوائے مولانا عثمانی صاحب کے ذہنی ساخت مغربی ہے۔ اکثر و بیشتر تو جان بوجھ کر اور بعض نادانانہ طور سے غلط فہمیوں کی بنا پر اسلام کے قوانین و احکام سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے قوی اندیشہ ہے کہ وہ دستور مملکت کی تدوین میں وہ سراسر غیر اسلامی قوانین کو اسلام کا نام دیکر پیش کر دیں گے۔ اور قرارداد کے منظور ہونے کے باوجود بھی پاکستان میں غیر اسلامی قوانین کا نفاذ و اجراء ہو جائے گا۔ لیکن اگر قوم میں صحیح اسلامی شعور موجود ہو، وہ اسلام و غیر اسلام کو ممتاز کرنے کی اہلیت رکھتی ہو تو پھر ان مغرب گزیدہ ممبروں کو یہ جرات نہ ملے گی۔ لہذا اب ضرورت ہے کہ قوم میں صحیح مذہبی شعور اور دینی ذوق اور نیک و بد کا امتیاز پیدا کیا جائے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہم مقالات و شذرات لکھیں گے۔ اور قارئین کرام فرض ہے کہ وہ غور سے پڑھ کر اور ذہن کو خالص صاف رکھ کر سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور دوسرے ان پڑھ مسلمانوں کو بھی اسی طرز و منہاج پر حقیقت حال سمجھا یا کریں۔

علاوہ ازیں چند مستقل عنوانوں پر قسط وار مضامین شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ ”ہے دیکھنے کی چیز سے بار بار دیکھ“ کے عنوان سے تاریخ اسلام کے زربین اوراق میں سے کچھ قابل عبرت اور ہمارے لئے قابل تقلید واقعات درج کریں گے۔ ایک تاریخی سلسلہ مضامین اس عنوان سے شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ، اور صحابہ کرام میں سے مشہور حضرات کے سراغ و حالات صفحہ قرطاس پر پیش کرینگے۔ جنہوں نے حقیقی پاکستان یعنی خلفاء راشدین کے دور میں ممالک فتح کئے۔ عربوں کے گورنر، قاضی اور تحصیلدار مقرر ہوئے۔ فوجوں کی سپہ سالاری کی۔ اور سروری و درہن ما خدمت گری ست کے عملی نمونے پیش کر کے ثابت کیا کہ باوشاہی میں یوں گدائی ہو سکتی ہے۔ اور مصر و شام کی سرسبز زمینوں، باغات اور انار و اشجار پر قبضہ و تصرف پانے کے بعد بھی اَنَارِ لَکْمِ لَا اَعْلٰی کہنے کی بجائے وہ بندہ نکر زندگی گزارنے لگے تو ہم اپنے قارئین کرام سے بھی بطور مشورہ عرض کرتے ہیں۔ کہ مندرجہ بالا بنیادی مقاصد کے حصول کے لئے اُن کی نظروں میں وہ کونسا طریقہ کار ہے جس کو اختیار کر کے ہم رسالہ کو مفید و کامیاب اور آپ کی نظروں میں پسندیدہ بنا سکتے ہیں۔ آپ حضرات اپنی آراء و افکار سے ہم کو ضرور مطلع فرمائیں۔ تاکہ ہم کو آپ حضرات کے ذوق اور ذہنی طلب کا اندازہ ہو۔ اور رسالہ کی تدوین میں ان امور کا خاص خیال رکھا جائے۔ جن سے آپ کے ذوق و مطلب کو تسکین حاصل ہو سکتی ہے۔

تقریبات اسلامی

(اداسرہ)

اعتکاف کی فضیلت

اعتکاف کا لغوی معنی ٹھیرنا آتا ہے۔ اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں یہ نیت اعتکاف مسجد میں ٹھیرنا مسنون ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے رمضان کے انیس عشرہ میں اعتکاف کیا۔ معتکف کو دو حج اور دو عمرہ کا ثواب ملے گا۔ (رواہ البیہقی)۔

حدیث میں ہے۔ جس نے اعتکاف کیا (اسکو) دین کی عبادت یقین کر کے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دئے جائیں گے۔ (یعنی گناہ صغائر)۔ (رواہ الدیلمی)

مسئلہ۔ معتکف ہونے سے پہلے اعتکاف کی نیت ضروری ہے۔

مسئلہ۔ معتکف کے لئے روزہ دار ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ۔ ایام اعتکاف میں معتکف کو شب و روز مسجد میں ہی رہنا چاہئے۔ البتہ رفع حاجات اور نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے۔ اگر بغیر ضرورت آدمی دن سے زیادہ مسجد سے باہر رہا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

لیلة القدر کی فضیلت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفٍ شَهْرٍ یعنی لیلة القدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔

مطلب یہ ہے کہ اس رات میں عبادت کرنے کا اس قدر ثواب ہے کہ اس کے سوا اور ایام میں ہزار مہینے عبادت کرنے سے بھی اس قدر ثواب نہیں میسر ہو سکتا جتنا ثواب کہ اس ایک رات عبادت کرنے میں مل جاتا ہے۔ اس آیت کا شان نزول امام سیوطیؒ نے باب النقول میں یہ نقل کیا ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے۔ ایک مرد کا جو بنی اسرائیل کی قوم میں سے تھا۔ اور جس نے ہزار مہینے اللہ تعالیٰ کے راستے (یعنی جہاد) میں ہتھیار لگائے تھے۔ پس تعجب کیا مسلمانوں نے اس بات سے۔ (اور افسوس کیا کہ ہم کو یہ نعمت کس طرح میسر ہو سکتی ہے) سو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے یہ (آیتیں) اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفٍ شَهْرٍ۔ یعنی یہ شب قدر بہتر ہے ان ہزار مہینوں سے جن میں اس مرد نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہتھیار لگائے تھے (یعنی جہاد کیا تھا)۔ (باقی بر صفحہ ۲۵)

ختم نبوت

(ادارہ)

خداوند تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کو ہر زمانہ میں مبعوث فرمایا۔ بنی آدم کو البیت کا وعدہ دیا گیا تھا۔ ارشاد ہوا تھا۔ یٰبَنیَّ اٰدَمَ اِمَّا یُؤْتِیْکُمْ مِّنْیَ هٰذِیْ فَتَخْتَفُونَ عَلَیْہِمْ وَلَا تَخَفُوْهُمْ یَخْشَیْ تَوْنًا ۝ اس وعدہ کا ایفاء پیغمبروں کے مبعوث فرمانے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسی لئے فرمایا یٰبَنیَّ اٰدَمَ اِمَّا یُؤْتِیْکُمْ مِّنْیَ سُلٰلٰتٍ ۝ ہر زمانہ میں خدا کا راستہ بتانے کے لئے انبیاء تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری ہمارے سرور و مولیٰ سید اکامات فخر موجودات حاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں ہدایت کے لئے رونق افروز ہوئے۔ حضور کی تشریف آوری سے نبوت کی عمارت مکمل ہوئی۔ ہدایت کا مکمل قانون نازل ہو گیا۔ امانحن نزلنا الذکر وانا لہ الحافظون اور الیوم اکملت لکم دینکم کے ذریعہ کمال نعمت۔ اکمال دین۔ تکمیل ہدایت اور حفاظت کا ذمہ لیکر اس وعدہ کو جو بنی آدم سے ابتداء میں فرمایا تھا پورا کر دیا۔ باب نبوت مسدود کر دیا گیا۔ شمس ہدایت کے طلوع کے بعد کسی قمر یا نجم کا آنا یا افضل الکتاب اور افضل الرسل کی تشریف آوری اور تکمیل ہدایت کے بعد انبیاء کا آتے رہنا غیر ضروری تھا۔ تمام انبیاء اپنے زمانہ میں ہدایت کے لئے فوراً لپکرائے۔ مگر اب آفتاب رسالت محمدی کے سامنے کسی کا چراغ یا میپ جل نہیں سکتا۔ صاحب قصیدۃ البردہ کہتے ہیں ۵

کأنّہ شمس فضلہم کو اکبھا + یظہرن النواہی للناس فی ظلم

ہر بنی کی نبوت اور اس کا معجزہ اس کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ کفار پر بھت قائم نہ رہی۔ اسی لئے انبیاء دنیا میں رونق افروز ہوتے رہے۔ مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ عطا کیا گیا۔ اور آپ کی نبوت کو کسی خاص قوم و ملک کے لئے مخصوص نہ رکھا گیا۔ ارشاد ہوا وما امرناک الا رحمة للعالمین۔ حضور کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ ختم نبوت کا اعلان فرمایا۔ مگر افسوس ہے کہ محدثین زمانہ قرآنی آیات کی تحریف کر کے اجرائے نبوت ثابت کرنے کی سب سے سود کو شش کرتے ہیں۔ اسلئے مختصر آج کی اشاعت میں ختم نبوت پر قرآن۔ حدیث۔ اور اقوال صحابہ و سلف صالحین سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

خاتم النبیین

لغت عرب کا فیصلہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِنِّ رَسُولَ
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ - اس آیت میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ یہ عربی لفظ ہے۔ اس لئے لغت عربی کی رو سے اس کا معنی کرنا ضروری ہو گا۔ لغت عرب کا فیصلہ یہ ہے کہ لفظ خاتم جب بھی قوم کی طرف مضاف ہو گا۔ اس سے مراد آخر القوم لئے جائیگے۔ ختام القوم و خاتمہم و خاتمہمہ و آخرہم و محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء و خاتم النبیین اسی آخرہم لسان العرب جلد ۱۰ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۵)۔ وَاُخَاتَمُهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ عَاقِبَتُهُ وَآخِرَتُهُ وَالْخَاتَمُ اخِرُ الْقَوْمِ كَالْخَاتَمِ وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ - اسی آخرہم۔ (قاموس و تاج العروس)۔

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کے لفظ کا جو مطلب بیان فرمایا

اس پر یقین رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ قرآن کو صاحب قرآن نے ہی اچھی طرح سمجھا۔ اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لَبِّیْکَ لِلنَّاسِ کا فرض عائد کیا گیا۔ میرزا صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ”جب سے زیادہ قرآن کریم کے معنی سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ بنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تفسیر ثابت ہو جائے تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلا تردد و بلا توقف قبول کرے۔ نہیں تو اس میں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہوگی“ (برکات الدعاء صفحہ ۱۴ طبع سوم)

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سیکون فی امتی کذا ابون ثلثون کلہم یزعم انه بنی اللہ وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی - اس حدیث کو مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے پانچ باتیں ثابت ہوئیں۔ (۱) اس امت میں چھوٹے بنی پیدا ہونگے۔ (۲) ان کے چھوٹے ہونے کی علامت یہ ہوگی کہ امتی ہونے کا دعویٰ کریں گے (۳) ان کے چھوٹے ہونے کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ (۴) خاتم النبیین کے معنی لا نبی بعدی فرما کر واضح کر دیا کہ اس کا مطلب آخر النبیین ہے۔ خاتم کا معنی قریب ازیت لیا جائے تو ان نبیوں کا چھوٹا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور لا نبی بعدی کا جملہ صاف طور پر تیار یا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی نبی پیدا نہ ہوگا۔ لافنی جنس کے لئے ہے۔ ہر قسم کی نبوت تشریفی غیر تشریفی ظلی بروزی وغیرہ کی نفی فرمادی۔ (۵) قرآن مجید کی آیت میں خاتم النبیین کی تفسیر بھی زبان نبوی سے معلوم ہو گئی۔

صبح بخاری میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ نبوت کی عمارت مکمل ہو چکی تھی۔ صرف ایک پتھر کی جگہ باقی تھی۔ یہی فانا اللبنة وانا خاتم النبیین۔ یعنی میں وہی پتھر ہوں۔ اور خاتم النبیین ہوں۔ اسی کی طرف انجیل میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول موجود ہے۔ وہی پتھر جسے معماروں نے رد کیا تھا کو نے کاسرا ہو گیا۔ اس سے ثابت ہے کہ نبوت کی عمارت مکمل ہو گئی۔ آخری اینٹ بھی لگ چکی۔ اس جگہ خاتم النبیین کے لفظ کی مزید واضح تفسیر ہو گئی۔

حوالہ جات متعلق ختم نبوت

انبیاء پیدایشی ہوتے ہیں۔ (دست بچن ص ۱۷۷)۔ نبی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے مگر ان کی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھی (حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۹)۔ کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا تابع ہوتا ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۱۷۷)۔ یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں ایک رسول اصلاح خلق کے لئے آوے اور اس کے ساتھ وحی آتی اور جبرائیل نہ ہو۔ (ازالہ ص ۱۷۷)۔ قرآن کریم کسی نئے پاپرا نے رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ (ازالہ ص ۱۷۷)۔ امتی کا کام یہ ہے کہ نبی مقبوع کی وحی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ (سراج منیر ص ۱۷۷)۔ فکیف ادعی النبوة وانا من المسلمین۔ (رحمۃ البشری ص ۱۷۷)۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معهم الکتاب واللیزان ليقوم الناس بالقسط۔ ہر نبی کا صاحب کتاب ہونا ضروری ہے۔ (سورہ حدید آیت ۲۵)۔ اسی طرح سورہ انعام میں وھبنا لہ اسحق و یعقوب کلاً ھدینا ونوحاً اتینھم الکتاب والحکم والنبوة۔ (آیت ۸۵ تا ۹۰)۔ انت منی بمنزلة ہارون من موسیٰ الا انت لا نبی بعدی۔ سے نبوت غیر شرعی کی بھی نفی ہے۔ صبح بخاری۔ فانا اللبنة وانا خاتم النبیین۔ (بخاری) لو کان بعدی نبی لکان عھدا۔ (ترمذی)۔ احمد۔ حاکم۔ طبرانی)۔ قرآن خاتم کتب سماوی ہے۔ (ازالہ صفحہ ۱۳۶)۔ نبی آنے سے اسلام کا تختہ ہی الٹ جائے۔ (ازالہ صفحہ ۵۸۶)۔ خاتم النبیین کا معنی (ازالہ صفحہ ۶۱۴)۔ کسی رسول کا آنا جائز نہیں۔ (ازالہ ص ۱۷۷)۔ اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (نشان آسمانی ص ۱۷۷)۔ وقد ختم اللہ رسولہ لانا النبیین۔ (تحفہ بغداد ص ۱۷۷)۔ فان النبوة قد ختمت وان رسولنا خاتم النبیین۔ (تحفہ بغداد ص ۱۷۷)۔ خاتمہ رحیم و کریم نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی استثناء کے خاتم النبیین قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تفسیر آیہ مذکور فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (رحمۃ البشری ص ۱۷۷)۔ اللہ نے حضرت پر نبیوں کا خاتمہ کر دیا۔ خاتم النبیین میں اشارہ ہے کہ تاقیامت وہی علاج روحانی کرے۔ (رحمۃ صفحہ ۴۹)۔ آپ کی برکات ہر زمانہ پر محیط اور آپ کے فیوض اولیاء اور اقطاب اور محدثین کے قلوب پر بلکہ کل مخلوقات پر وارد ہو رہے ہیں۔ (رحمۃ

(۴۹) - کیا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور لیکن رسول اللہ خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کیا کہہ سکتا ہے کہ میں رسول و نبی ہوں۔ (انجام آتھم صفحہ ۲۸ کا حاشیہ)۔ اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے۔ اور ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے آغا ہے اسکے لئے انجام بھی ہے۔ (الوصیت صفحہ ۱۰)۔ صحابہ آنحضرتؐ کی عکسی تصویریں تھیں۔ (فتح اسلام ۱۸)۔

اجماع اُمت

(۱) ”جو شخص مدعی نبوت ہے وہ مرتد ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی مرتد ہو گا جو دعویٰ نبوت کی دعوت دے۔ کیونکہ یہ کفر بہ کتاب اللہ و کفر بحدیث رسول ہے۔ اگر صرف وحی کا دعویٰ کرے اور نبوت کا دعویٰ نہ کرے یا صفائی قلب کے ذریعہ تحصیل نبوت کا مدعی ہو۔ یا وہاں تک پہنچے کا مدعی ہو وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ لابی بعدی اور خاتم النبیین دونوں صریح حکم ہیں۔ جن کی تاویل کرنا خلاف دیانت و خلاف اجماع مسلمین ہے۔“ (شفافاضی عیاض و شروح لمختصا)۔

(۲) اذالم یعرف ان محمداً آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانه من الضمیر و سرایات و الجھل لیس بعدر۔ (شرح فقہ اکبر)

(۳) من ادعی النبوة فی زماننا کفر ومن رکن الیہ فهو ایضاً کافر۔ (تمہید ابوالشکور سالمی)

(۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر فرمایا۔ فقد نا الوحی۔ (کنز العمال ص ۵۰ ج ۴)۔

(۵) علامہ ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ ”جو اعتقاد رکھے وحی کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ اجماع مسلمین سے کافر ہو جاتا ہے۔“

(۶) لا تلحق الولایة بدایة النبوة ابدًا۔ فلو ان ولیا یاخذ منها الانبیاء ولا حترق وان الله سل باب النبوة والی سالة عن کل مخلوق بعد محمد صلی الله علیه وسلم الی یوم القیمة وان مقام النبی ممنوع دخولہ... وقد فقه لای

(۷) من قال ان الله امره بشئ فلیس ذالک بصیح انما هو تلبیس لان الامر من قبیل الکلام وهو مسدود۔ (فتوحات المکیہ باب ۲۱)

نیر زامصاحب بھی اس حدیث اور تفسیر کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ ”خدا نے رحیم و کریم نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر استثناء کے خاتم النبیین قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تفسیر ایہ مذکور فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ (حجۃ البشری صفحہ ۲۰)۔

اسی وجہ سے میرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۷۳ پر اس آیت کا ترجمہ الفاظ ذیل میں کیا ہے۔
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے۔ مگر وہ رسول اللہ ہے
 اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔

یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔
 ختم نبوت کی تصریح سینکڑوں احادیث میں موجود ہے۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ ائت منی بمنزلة هارون من موسى الا انك لا نبی بعدا
 اگر نبوت غیر تشریعی جاری ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون سے تشبیہ دیکر لابی بعدی کہنے کی
 ضرورت ہی کیا تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی غیر تشریعی تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم
 کی نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ لو کان بعدی نبی لکان عمر۔ (ترمذی۔ طبرانی وحاکم وغیرہ)
 علاوہ انہیں کثر الحال میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 متعلق حضرت آدم علیہ السلام سے کہا ہوا آخر ولدك من الانبیاء۔ اس مضمون کی احادیث
 بے شمار ہیں۔ مگر یہی تین احادیث ایماندار کی تسلی کے لئے کافی ہو سکتی ہیں۔ کل ۱۶۴ احادیث سے
 ختم نبوت ثابت ہے۔

قرآن کا فیصلہ | قرآن کی مندرجہ ذیل آیات سے مسئلہ ختم نبوت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔
 (۱) الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي۔ (۲) وَالْآخِرِينَ
 مِنْهُمْ لَمَا يَلْحَقُوا بِهِمْ۔ (۳) قرآن نے کسی جگہ دوسرے نبی پر ایمان لانے کا حکم نہیں فرمایا۔
 ہر جگہ یہی ارشاد ہوا۔ یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک۔ (۴) اذناخذ اللہ
 میثاق النبیین لَمَا آتَیْتُمْکُمْ مِنْ کِتَابٍ وَحِکْمَةٍ ثُمَّ جَاءَکُمْ رَسُولٌ مَصْدَقٌ لِمَا مَعَكُمْ
 لَتؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ۔

۳۳ آیات سے ختم نبوت ثابت ہے۔

لہٰذا کمال دین کے بعد کسی نبی کے آنے سے دین کا ناقص ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا نبوت کے اجراء کی
 ضرورت نہیں رہی۔ ۱۲۰ عہد اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس آخر
 زمانہ والوں کی بھی مرگی و معلوم ہے۔ ۱۲۰ عہد کے لفظ سے ظاہر ہے کہ تمام انبیاء کے آفرین بنی صلی
 اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور مصدق قرار دیئے گئے۔ ۱۲۰

اُسوۂ رسولؐ کی پیروی

ہمٹاری طاقت کا اصلی چشمہ

(اداسہ)

سلسلہ اشاعت ماہ اپریل ۱۹۳۹ء

(قسط ۱)

جس وقت اس دنیا میں انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع ہوا، بنی نوع انسان سے اسی وقت کھدیا گیا تھا۔ اِنَّمَا يَا بُنَيَّ نَبِيَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ یعنی انسانوں کی ہدایت کا سرچشمہ اگرچہ انسانوں کی دنیا سے ماورئی ہے لیکن یہ ہدایت جن رسولوں کے توسط سے ملے گی۔ وہ انسان ہی ہونگے۔ مگر انسانوں کی حماقت و نادانی اور توہم پرستی ملاحظہ ہو کہ منکرین حق و صداقت اور شقی انسانوں کی سمجھ میں یہ بات ہی نہ آئی کہ جو رسول ہو وہ اُن جیسا ایک آدمی کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسے توہم پرست انسانوں کو آج تک یہی چیز ہدایت و سعادت سے محروم کئے ہوئے ہے۔ کہ بزرگ و مقدس انسانوں کو انسانی دنیا سے الگ کوئی عجیب رستی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی توہم پرستی نے انبیت اور اتار بیت وغیرہ گمراہیوں کو پیدا کیا۔ اس محرومی نے آج تمام دنیا کے انسانوں کو ضلالت و شقاوت کے جہنم میں جھونک رکھا ہے۔

ختم نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات

حضرت آدم علیہ السلام سے سلسلہ رشد و ہدایت شروع ہوا۔ جن سید انسانوں نے نبوت و رسالت کو مانا وہ سچی و کامل خدا پرستی اور حقیقی دینداری کی روح سے بہرہ یاب ہوئے۔ اور جن انسانوں نے انبیوں کے ماننے سے انکار کیا وہ خسر الدنیا و الآخرہ کا مصداق ہوئے۔ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی شرافت، نیکی، پاکبازی، رحم و دعوت، عدل و انصاف اور خدا پرستی و تقویٰ کے نشانات و آثار باقی ہیں وہ انہی مقدس و مطہر نفوس کی تعلیم و تبلیغ کے اثرات ہیں۔ فی الحقیقت انبیاء علیہم السلام ہی ہیں جنہوں نے انسانوں کو صحیح معنوں میں انسانیت و شرافت کا درس دیا۔ اور انکو فلاح و ارتقاء کی منازل ملے کر اگر موجودہ تمدن تک پہنچایا۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسانوں کی فلاح و سعادت، ترقی و کامرانی اور حصول کمالات

کا واحد ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار و اعتراف ہے۔ اب اگر قیامت تک انسانوں کو فلاح و نجات مل سکتی ہے تو صرف آپ کے اتباع سے۔ جعلی تدوین کی توحید کے اقرار و اعتراف کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا اقرار لازمہ ایمان اور کلید جنت ہے۔ آپ کی رسالت پر ایمان لانے کا مطالبہ یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہ اسلام کی ایسی روشن حقیقت ہے جس میں کسی انکار اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ بالکل واضح اور قطعی الثبوت چیز ہے۔ اس میں کوئی تاویل نہیں چل سکتی۔ آپ خاتم الرسل ہیں بایں معنی کہ ”لا نبی بعدک“ آپ کے بعد کوئی نہیں۔ نہ ظلی، نہ بروزی، نہ تشریعی، نہ غیر تشریعی، نہ حقیقی نہ مجازی باب نبوت ہمیشہ کے لئے مسدود ہو گیا۔ جو شخص آپ کے بعد کسی حیثیت سے بھی کسی کو نبی تسلیم کرتا ہے درحقیقت وہ آپ کی رسالت کا منکر ہے۔ وہ وحدت اسلامیہ کو پارہ پارہ کرتا ہے۔ اور دائرہ اسلام سے قطعاً خارج ہے۔

پس خدا پر مابشریت ختم کرو + بر رسول مابرسالت ختم کرو
آپ کے فضائل و کمالات

وضع انسانی میں یہ طاقت کہاں کہ اُن تک رسائی حاصل کر سکے۔ زبان میں وہ طاقت کہاں کہ آپ کی تعریف و توصیف بیان کر سکے۔ اور قلم میں اتنی قدرت کہاں کہ کچھ لکھ سکے۔ مختصراً اتنا جان لینا اور مان لینا چاہئے کہ آپ تمام نبیوں کے سردار، تمام رسولوں کے سربراہ۔ سب سے افضل، سب سے برتر اور سب سے آخر ہیں۔ وہ اس طرح کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے فضائل و کمالات خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اور فضل و احسان تھے۔ اور وہ الگ الگ خدا تعالیٰ کے صفات میں سے کسی ایک خاص صفت کے مظہر اتم تھے۔ گو تمام انبیاء علیہم السلام وصف نبوت میں برابر، اپنی اپنی حد تک کامل، اشرف اور اکمل تھے۔ قلیل و کثیر تمام ہی صفات حسنہ اور اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔ تاہم منجہ صفت کوئی ایک ہی صفت خاص تھی۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام صفت نجات سے متصف تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صفت خلعت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صفت تکلم سے سرفراز ہوئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اجیاد موتی اور شفاء امراض کی صفت خاص سے ممتاز تھے۔ اور ان صفات مخصوصہ کے علاوہ دیگر صفات و کمالات کے بھی مالک تھے۔

مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صفت علم سے نوازا گیا۔

ظاہر ہے کہ انسانی صفات و کمالات میں سے صفت علم ہی وہ سب سے بڑی صفت و فضیلت ہے جو تمام اوصاف و محاسن میں شرف تقدم رکھتی ہے۔ تمام اوصاف علم ہی کی

صفت سے پیدا ہوتے اور فکو و نما پاتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاشیاء کی عظیم شان نعمت و خصوصیت عطا کی گئی۔ اسی کی بناء پر انسان نے ارض و سموات کی تسخیر کی گنجیاں پائیں۔ اسی کی صلاحیت و قوت سے بیدار مغز انسانوں نے دنیا کی تمام چیزوں کو اپنا تاج فرما لیا۔ استفادہ حاصل کیا۔ مادی ترقی کی منتر لیں طے کیں۔ اور عیش و عشرت کے سامان فراہم کئے۔ فطرت انسانی میں اس علم کو رکھنے کی وجہ ہی سے اسکے آگے لگانے کی گردنیں جھکیں۔ غرض یہ کہ صفت علم کو دیگر صفات انسانی پر بنیادی فوقیت و برتری اور شرف و فضیلت حاصل ہے۔ اس کے اوپر فضیلت و برتری کا اور کوئی درجہ نہیں۔ اس پر تمام فضائل و کمالات ختم ہو جاتے ہیں۔ تمام صفات اپنی کارگزاری میں علم کے محتاج ہیں۔ مگر خود علم کسی دوسری صفت کا محتاج نہیں۔ پس انبیاء علیہم السلام میں سے جو نبی بھی صفت علم سے مستفید و ممتاز ہوا وہ علی بارگاہ تک باریاب ہو وہی مراتب میں تمام انبیاء سے افضل و برتر ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ جس نبی پر تمام علمی و عملی کمالات ختم ہو گئے۔ اور جو سب کا مقدم و سرمد ہوا وہی خاتم الانبیاء اور آخری نبی بھی ہو گا۔

آفتاب سمالت

یوں سمجھیے کہ گویا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی آفتاب ہدایت و رہنمائی ہے۔ جس طرح آفتاب و ماہتاب اس کائنات کے لئے روشنی کا سبب ہیں، ظلمتوں اور تاریکیوں کو دور کرتے اور اشیاء عالم کی بقا و ترقی کے لئے حرارت و روشنی مہیا کرتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس عالم روحانی اور کائنات انسانی کے لئے آفتاب کا حکم رکھتی ہے۔ اس آفتاب کی روشنی جس قدر شدت کے ساتھ قلوب و ارواح انسانی پر پڑے گی اس قدر کثرت کے ساتھ دنیا میں کمالی روحانی اور اخلاقی ترقی ہوگی۔ مجھے تو خود پروردگار عالم نے اپنے حبیب کو سداجاً و قمیلاً منیراً فرمایا ہے۔ اور نبی نور انسان کے لئے عام اعلان کر دیا ہے کہ ”اے انسانو! اُن لوگوں کے لئے جو اللہ سے اور آخرت سے ملنے کے آرزو مند ہوں اُن کے لئے رسول اللہ کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے۔ اگر حقیقی امن و راحت، صحیح ترقی و کامیابی اور سچی خدا پرستی و دینداری کے حبلہ کا۔ ہو تو رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو۔ تمدن و سیاست میں، تہذیب و معاشرت میں، عقائد و عبادات میں اور زندگی کے تمام معاملات میں مشکوٰۃ نبوت سے روشنی و ہدایت حاصل کرو۔ آپ کی تعلیم و سیرت ہی انسانوں کے لئے قمر اوسطیم ہے جس پر چل کر وہ ہر قسم کی ترقی حاصل کر سکتے اور تمام فتنوں، گمراہیوں، خطروں، بربادیوں اور تباہیوں سے مامون و معصون رہ سکتے ہیں۔“

آج دنیا میں مصائب و آلام اور ظلم و فساد کیوں ہے؟

آج ساری دنیا ظلم و فساد سے بھرپور

ہے، انسانوں کو چاروں طرف سے مصائب و آلام نے گھیر رکھا ہے۔ امن و عافیت، راحت و آسائش اور شرافت و انصافیت کا کہیں نام و نشان باقی نہیں اور قومیں ہلاکت و بربادی کی طرف بھاگی جا رہی ہیں۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ دنیا کی آزاد اور ترقی یافتہ قومیں مادہ پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ خدا تعالیٰ کی بنیاد پر مکر بستہ ہیں۔ مذہب و اخلاق کے دشمن ہیں۔ اور ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالرسالت سے محروم ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و سیرت سے منہ موڑ رکھا ہے۔ انسانوں نے انسانوں کو اپنا لیڈر، ہادی، نجات دہندہ، محبوب و مطلع اور نمونہ بنا رکھا ہے۔ دنیا بھر کی قوموں نے بمیوں کی تعلیمات کو نظر انداز کر کے پیرو پرستی، قوم پرستی اور وطن پرستی کی گراہیوں کو اپنا دین و ایمان بنا رکھا ہے۔ کفار و مشرکین اور فساق و فجار برسر اقتدار ہیں۔ انہی کی دنیا میں اندھا دھند تقلید و پیروی ہو رہی ہے۔ محبوب و مقبول لیڈروں کو کہیں غذائی منصب دیدیا گیا ہے۔ اور کہیں انکو نبیوں اور رسولوں کا مرتبہ دیدیا گیا ہے۔ قومی پیروں کی خیر مشروط اطاعت و وفاداری نے افراد و اقوام کو اندھا بنا دیا ہے۔ انکی قصا ویرا و مجرموں کے سامنے تعظیم و عقیدت کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اور انسان انسانوں کی پرستش کے نشہ میں مدھوش ہیں۔

اس لیڈر پرستی کے جذبہ نے مذہب و اخلاق کی روح کو ختم کر دیا۔ انسانوں کو خوشخوار بیڑیا بنا دیا۔ اور ساری دنیا کو عیاشی و بیکاری اور ظلم و فساد سے بھر دیا۔ دنیا بھر کے ارباب سیاست مفکر و ادیب اور شاعر و خطیبہ پیرو پرستی اور وطن پرستی کے پیچھے ہٹے ہوئے اپنی اپنی قوموں کو مذہب و اخلاق سے بیزار و متفر کر کے اپنے اپنے محبوب لیڈروں اور قائدوں کے قدموں پر جھکا رہے ہیں۔ شخصیت پرستی کے درس میں اپنی تمام فہمی صلاحیتوں، علمی قابلیتیں اور عملی طاقتیں صرف کر رہے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں وہ تمام گراہیاں اور بناہیاں اقوام عالم پر آ رہی ہیں۔ جو سب کے سامنے ہیں۔ ان سے نجات کی راہ بجز ایمان بالرسالت کے اور کوئی نہیں۔ مگر دنیا والے ادھر کا رخ ہی نہیں کرتے۔ اگر کوئی توبہ دلائے تو اسے کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔

رسالت محمدیہ اور امت مسلمہ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و سیرت مسلمانوں کے لئے مرکز حیات ہے۔

آپ کی محبت و عقیدت لازمۃ ایمان ہے۔ اور آپ کی تقلید و پیروی پر ہر قسم کی ترقی اور فلاح و بہبود منحصر ہے۔ مسلمانوں کی تمام خوبی و زیبائی، شرف و برتری، غیر و صلاح، قدر و قیمت اور

دین و آئین سب کچھ صداقت رسالت محمدیہ پر موقوف ہے۔ حضور کی ذات بابرکات سے ہمیں جو نسبت حاصل ہے، وہی ہماری مادی و روحانی قوت و توانائی کا منبع ہے۔ اسی کی بناء پر ہم ایک ملت ہیں۔ آپ ہی کی عنایت و نوازش سے ہمیں خدا پرستی و بنداری اور معرفت الہی کی دولت لازوال ملی، قرآن و حدیث کی صورت میں ایک کامل و مکمل ضابطہ حیات ملا، خیرالامم کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ مومنانہ اوصاف و خصائص، مسلمانہ میرت و کردار اور مجاہدانہ عزم و استقامت کے مالک بنے۔ یہ حضور صلعم کی نوازش و عطا ہی تو ہے جس سے ہمیں یہ فخر حاصل ہے۔ کہ ہم خدا والے، قرآن والے، بنی والے، اور دین و آئین والے ہیں۔ اور تمام دنیا کیلئے پیامِ رحمت و برکت ہیں۔

مازحکم نسبت اولتیم * اہل عالم را پیامِ رحمتیم

ہمیں حضور انور کیوں محبوب ہیں؟ | اس لئے کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی معرفت آپ ہی نے کرائی، تو و عبدیت الہی کی

روح آپ ہی نے دی، ایمان و عمل صالح کی حقیقت آپ ہی نے بخشی، سچی خدا پرستی اور بنداری آپ ہی نے سکھائی، خلافت و حکومت کی قابلیت آپ ہی نے عطا کی، مادی و سیاسی طاقت و توانائی کا چشمہ آپ ہی کے قدموں سے پھوٹا اور دین فطرت ہم نے آپ ہی کی وساطت سے حاصل کیا۔ اسی لئے تو حضرت اقبال رحمہ نے فرمایا ہے۔

قوتِ قلب و جگر گردنی * از خدا محبوب تر گردنی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس اور سیرت پاک کی تقلید و پیروی سے مردہ پیکر میں زندگی کی لہر دوڑتی، افراد امت میں یک جہتی، یک رنگی، یک نگی اور ہم آہنگی پیدا ہوتی اور جمعیت و مرکزیت استوار ہوتی ہے۔ اختلاف، نفاق و شقاق، بحث و نزاع، فرقہ بندی اور خانہ جنگی کی جڑ کٹتی ہے۔ اخلاق و روحانیت اور تمدن و معاشرت میں عدل و احسان، تقویٰ و پرہیزگاری اور حسن معاملہ کی روح کار فرما ہوتی ہے۔ غیر فتنہا ہی ترقیات کے ابواب واہوتے ہیں۔ فساد و انسانیت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور مصائب و آلام سے نجات ملتی ہے۔

ہ لا یمکن الشاء کما کا حقیقہ * بعد از خدا بزرگ قوتی قصہ مختصر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانیکے کیا معنی ہیں؟ | آپ ایمان

لانے کے معنی یہ نہیں کہ ہم بغیر سمجھ آپ کو خدا تعالیٰ کا آخری نبی، اشرف انبیاء، نجات دہندہ اور شافعِ محشر مان لیں۔ مگر ان میں سے کسی بات کا علم و شعور حاصل نہ ہو، آپ پر ایمان لانے کے تقاضے

سے بچبری ہو۔ اور صرف لفظی وزبانی محبت و عقیدت اور سطحی و رسمی تنظیم و تکریم کے دعوؤں سے اپنے نفسوں کو فریب میں مبتلا کر دیا جائے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آپ کی محبت و عقیدت اور حقیقی تنظیم و تکریم اسلامی زندگی کی بنیاد اور خدا پرستی کی جان ہے۔

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے * اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
 محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی * خدا کے دامن تو حید میں آباد ہونے کی
 محمدؐ کی محبت آن ملت شان ملت ہے * محمدؐ کی محبت روح ملت جان ملت ہے
 محمدؐ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے * یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
 محمدؐ ہے متلع عالم ایجاد سے پیارا * پدر، مادر، برادر، مال و جاں اولاد سے پیارا

مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دین حق کی شرط اول ہے۔ جتنی زیادہ آپؐ کی محبت ہوگی اتنا ہی زیادہ حق پرستی اور دینداری کی روح پیدا ہوگی۔ دل و دماغ میں جب آپؐ کی محبت کا جذبہ پیوست ہوگا تو حق تعالیٰ کی شدید محبت کا مرتبہ ہاتھ آئے گا۔ یہ شدید محبت اخلاص قلب، حسن اخلاق، اعمال صالحہ اور جہاد و قربانی کی روح پیدا کرے گی۔ اگر حضورؐ کی محبت میں خامی ہو تو پھر حق پرستی، دینداری، اخلاق، اعمال اور سیرت و کردار سب چیزیں ناقص، خام اور نامکمل ہیں۔ رسول مقبولؐ کی محبت مسلمان کو شخصیت پرستیوں اور تمام طاغوتی طاقتوں اور خدا کے نافرمان انسانوں کی غلامیوں، ذلتوں اور پستیوں سے نجات دلا کر عبدیت الہی کے لئے آزاد کر دیتی ہے۔ آپؐ کی محبت غلامی سے آزاد ہونے کی سند ہے۔ حب رسولؐ ہی صحیح معنوں میں آزاد ہے۔ جو شخص آپؐ کی محبت کا جذبہ نہیں رکھتا وہ ہزار آزادی کا دعویٰ کرے مگر وہ غلامی سے کسی طرح آزاد نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ آبائی رسم و رواج کی تقلید کریگا، یا مذہبی پیشواؤں کی غلامی کریگا، یا سیاسی حکام، بادشاہوں اور ڈکٹیٹروں کی تقلید و پیروی پر مجبور ہوگا اور یا پھر خود اپنے نفس کی اطاعت و غلامی کرے گا۔ بہر حال جو حب رسولؐ کا سچا جذبہ نہیں رکھتا اس کو غیر اللہ کی غلامی سے نجات نہیں مل سکتی۔ اور اسکی آزادی کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت اور غلامی ہی وہ چیز ہے جس سے ہر قسم کی مادی و ذہنی غلامی سے نجات ملتی ہے۔

یاد رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت کوئی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ ذریعہ ہے آپؐ کی اطاعت و پیروی کا۔ اصل چیز آپؐ کی اطاعت و پیروی ہے۔ اس کے حصول کا ذریعہ حب رسولؐ ہے۔ حب رسولؐ کا جذبہ آپؐ کی سیرت مقدسہ اور حیات طیبہ کے درس و مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ذکر رسولؐ سے حب رسولؐ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور

حب رسولؐ سے اطاعت رسولؐ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ذکر رسولؐ اور اطاعت رسولؐ کے بغیر آپ کی محبت کے تمام دعوے حماقت و نادانی، فریب نفس اور محض ذہنی عیاشی ہے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۱۳) حدیث شریف میں ہے کہ یہ مہینہ (یعنی رمضان) تمہارے پاس آگیا۔ اور اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جو شخص اس رات (کی برکت و طاعت و عبادت) سے محروم گیا تو وہ تمام بدلائیوں سے محروم کیا گیا۔ اور نہیں محروم کیا جاتا اس رات کی برکتوں سے مگر محروم۔ (یعنی ایسی بے بہار رات کی برکت جسے نہ ملی۔ اور جس نے کچھ عبادت اس شب میں نہ کی تو وہ بڑا بھاری محروم ہے۔ جو ایسی نعمت سے محروم رہا۔)

جو شخص عیدین کی راتوں میں شب بیدار رہا۔ اسکا دل جس دن دل مردہ ہوگے سر سبز ہوگا۔ یعنی قیامت

عیدین کی راتوں کی فضیلت

کی سختیوں سے پریشان نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اسپر زکوٰۃ واجب ہو۔ یا تو اس پر زکوٰۃ واجب

جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہو اسپر عید کے دن صدقہ دینا واجب ہے اس کو شرع میں صدقہ فطر کہتے ہیں۔

مسئلہ۔ کسی کے پاس ضروری اسباب سے زائد مال اسباب ہے۔ لیکن وہ قرضدار ہے تو قرضہ مچرا کر کے دیکھو کیا بچتا ہے۔ اگر اتنی قیمت کا اسباب بچ رہے جتنے میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو صدقہ فطر واجب ہے۔ اگر اس سے کم ہے تو واجب نہیں۔

مسئلہ۔ بہتر یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے ادا کر دینا چاہئے۔ اگر پہلے نہ دیں تو بعد میں بھی

ہو سکتا ہے۔ **مسئلہ**۔ صدقہ فطر میں گھنوں یا گھنوں کا آٹا پونے دو سیر فی کس کے حساب سے ادا کرنا چاہئے۔ بہتر یہ ہے کہ پورے دو سیر ہی ادا کیا جائے۔ صدقہ فطر کے مستحق وہی لوگ ہیں جو کہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

درخواست

صدقہ فطر ادا کرتے وقت اپنے دارالعلوم کے غریب و نادار بچوں کو نہ بھولئے۔ خود بھی اور اولاد کو بھی توجہ مدرسہ کی اعانت کی طرف مبذول فرمائیے +

”فلسفہ اجتماعیت“

(از مولانا محمد فاروق صاحب الاھوکا)

زیر نظر مضمون تین ابواب پر مشتمل ہے۔ ایک صالحہ جماعت کا قیام، دعوت کا اصول، اور جماعت کے وسائل تاثیر و عمل۔

یہ ابواب ایک ہی سلسلہ کی تین کڑیاں ہیں۔ اور باہم لازم و ملزوم، اس لئے ان میں ارتباط و تسلسل بھی ایسا ہے جس کے بغیر مضمون کا افہام ناممکن ہے۔

قانون طبعی آغاز عالم سے لیکر ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ سورج جس طرح ابتداء میں طلوع و غروب کے فرائض ادا کرتا تھا بلا کسی تغیر کے آج بھی کر رہا ہے۔ موت و حیات، رنج و راحت، نباتات و حیوانات اور دوسری اشیاء کا جو نظام پہلے جاری تھا۔ آج اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ آنے والے انسانوں کا جو گروہ بھی اس میدان حیات میں قدم رکھتا ہے وہ اپنے لئے ان لوازمات کو متنوع تجربات تصور کرتا ہے۔ ہر گروہ کے نزدیک ماضی تاریک، حال روشن اور مستقبل امید افزا ہوتا ہے۔ لیکن بدل بدل کر آنے والے انسانی معاشرے کے لئے بعض ناقابل تغیر قوانین ہوتے ہیں جو ہر حال، ہر مقام اور نوع انسانی کے ہر گروہ، فرقہ، طبقہ، جماعت اور قوم کے مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خالق اور مالک ہونے کو ہر جاہل اور بے علم بھی جانتا ہے۔ ماسوا چند افراد کے جو ادیان و موجودات کی پرستش میں اللہ کا قطعی انکار کرتے ہیں۔ ہر انسان خدا کی ایک ہستی کا قائل ہے۔ خواہ وہ پیدائش سے لیکر موت تک کا پورا وقفہ کسی تاریک غار میں گزار دینے والا ہو۔ لن تجد لسنة الله تحویلاً۔ لن تجد لسنة الله تبدیلاً۔ (تم اللہ تعالیٰ کی سنت مستمرہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ پاؤ گے)۔

انسانوں کی ہدایت و فلاح کے لئے ایک صراط المستقیم مقرر کر دیا گیا۔ اور فرستادہ حضرات کی وساطت سے اس پر چلنے کی عملی مثال بھی پیش کر دی۔ کہ منزل مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو۔ تو اس کا بھی اور یہ ہے۔

ذرا غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جس خالق نے اپنی مخلوق کی روحانیت کے قیام کی خاطر آج سے ساٹھ تیرہ سو سال پہلے ایک آخری اور جامع قانون عطا کیا تھا۔ اس نے اپنی رعایا کی رشد و ہدایت کے لئے مہبوط آدم علیہ السلام کے ساتھ اور نسل انسانی کی نگہ بین کے بعد ہی اغذیہ جسمانی کی طرح بقا و حیات روحانی کیلئے راہنمائی و اہتیت کا فرض ادا کر دیا تھا۔

محقق فطرت کا خوانِ نعمت ایک جہانِ افروزِ نظریۂ اسلام تھا۔ جو ہر دہ میں ہر قوم کے پاس ایک مخصوص بنی و مرسل کی وساطت سے ظاہر ہوتا رہا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا جب دنیا کسی اتنی فرامین سے محروم رہی ہو ان فرامین کی اشاعت کا سنگ بنیاد سابقین الاولین حضرات کے سپرد ہوتا ہے۔ اور سابقین الاولین کے مستحق انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اس دعوت حق پر لبیک کہنے والوں کی قیادت جن حضرات نے کی ہے۔ وہ ایک کامیاب اجتماعیت کا بیج ہو گئے ہیں۔ جس طرح ایک بحیرے سے ایک تٹا درخت نشوونما پاتا ہے۔ اور اس مددگت کی لاتعداد فروعات ہوتی ہیں۔ اسی طرح انبیاء کے بھرشد سے ایک شجر طیب نمودار ہو کر فضاء عالم میں پھیل جاتا ہے۔ ان انبیاء کی چند مثالیں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ صلحاء کے منظم گروہ کی موجودگی میں باطل کا قیام ناممکن ہے۔

دوسری مثال اُن حضراتِ نبیاءِ کرام کی ہے۔ جنہوں نے اس دینِ فطرت کی طرف اپنی قوم کو دعوت دی ہے۔ مگر اپنی قوم کے اندر عناصِ صالحہ کے فقدان کی وجہ سے کوئی ٹھوس..... اجتماعی ادارہ قائم نہیں کر سکے اس لئے حق کی کامیابی اور باطل کا استیصال نہیں ہو سکا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ انکی دعوت اور طریق کا د میں کچھ خامیاں رہ گئی تھیں۔ یادہ کسی کا ہلی و غفلت کا شکار ہو گئے تھے۔ کیونکہ انبیاء و مرسلین مؤید من اللہ ہوتے ہیں۔ انکی کسی حرکت کو خلاف منشا الہی تصور کرنا تغلیط ہے۔

بمعاظہ اوراقِ حق عنہ اللہ کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اجر اب بھی وہی ہے جو ایک کامیاب اجتماعی تحریک کے اجرا و قیام اور باطل کے استیصال کے بعد ہو سکتا تھا۔ جس حد تک ادائیگی فرض کا تعلق ہے۔ سب نے اسے کما حقہ ادا کیا ہے۔ ان انبیاء میں جلیل القدر مرسلین کا شمار بھی ہے۔ قرآن مجید کے تاریخی حصہ میں ان کا ذکر کمیں بالتفصیل اور کمیں بالاجمال پایا جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے جو معاملہ ہے اسکا انتہائی تصور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِتْنَانًا رَبَّ هَبْ لِي مِنْ أَجْرِي إِنَّي كُنْتُ مِنَ الْخَاسِرِينَ

میں نے اپنی قوم کو دن رات پکارا مگر انہوں نے نہ صرف فراز کی راہ اختیار کی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ طوفانِ نوح کے نام سے ضرب المثل ہے۔

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کے صلب سے بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کی کثیر
 التعداد نسل قطعات ارضی کی وارث بنی۔ اور جن کی بزرگی کی معروف مثال ابوالانبیاء کا خطاب ہے۔
 لیکن انکی دعوت حق کا اثر صرف ایک عورت حضرت سارا پر ہوتا ہے۔ باقی پوری آبادی بنے ایمان ہی۔

۱۰ واضح رہے کہ حضرت نوحؑ ان جلیل القدر انبیاء سے ہیں جنکا شمار بالخصوص اعظم انبیاء میں سمجھا جاتا ہے جنکی تعداد

اسی طرح حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی مثالیں کلام پاک میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ غرض ابتداء آفرینش سے مذہب اسلام کا ایک مستقل اور بنی نظریہ قائم تھا۔ جو آج تک چلا آ رہا ہے۔ البتہ اسکی کامیابی کے چند ادوار ہیں، اس کے اقتدار کی صرف تین مثالیں اسوقت ہمارے سامنے منج شدہ صورتوں میں موجود ہیں۔ یہودیت، مسیحیت، اور مسلمان۔

اس کے برعکس اگر ہم حیات زمانہ کے رخ ثانی پر نظر کریں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کا سیلاب ہمیشہ انسانوں کی کثرت پر چھایا رہا ہے۔ انسان مختار مطلق اور شتر ہے ہمارے کی طرح زندگی بسر کرنا اپنے لئے بہتر سمجھتا ہے۔ اخلاقی ضابطے زنجیر حیات نہیں۔ جن سے بہر حال فرار کی راہیں تلاش کی جاتی ہیں۔ درحقیقت فطرت انسانی کا طبعی تقاضا، سپاہی، تقویٰ، بردباری، برواداری اور انسانی ہمدردی ہے۔ یہ جذبہ شیطانی ہے۔ جسے مذہب کی اصطلاح میں نفسانی خواہشات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ادھانیت سے منقطع ہو کر اپنے منافع کی اساس مادیت پر رکھی ہے۔ اور ایسے اصول اپنی زندگی میں داخل کر لئے ہیں جو انسانی صوابدید کے محتاج ہیں۔ انسان کو مقام سفلی کی طرف لے جا کر حیوان کا درجہ دیدیا ہے۔ جب انسان کی حیثیت ہیما نہ تسلیم کی جائے۔ تو اس کا معیار حیات کتنا بلند و ارفع اور اصح ہو سکتا ہے۔ اور اس کے وجود سے کونسی صلاحیت اور اخلاقیات پرورش پا سکتی ہے۔

اس سے بڑھ کر فساد فی الارض کا دوسرا درکن نظام فاسد کا اقتدار ہے۔ نظام حکومت کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس کے اثر سے انفرادی زندگی کا کوئی گوشہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ غلط قیادت اور فاسد نظام حکومت انسانوں کے اندر فتنہ و فساد کا بیج بوتے ہیں۔ ازمنہ ماضی کا جائزہ اور انسانیت کی صلاح و فساد کا تجربہ کرنے سے جو تلخ حقائق معلوم ہوتے ہیں انکے پیش نظر انسانی فلاح و بہبود کی خاطر ایک صالحہ جماعت کا قیام ضروری ہے۔ جو ہمیشہ انسانی حقوق کی حفاظت کیلئے مستعد رہے کیونکہ انسانی واضحین قانون نے جو قوانین وضع کئے ہیں۔ انہیں آج تک لمحہ بصر بھی ثبات نصیب نہیں ہوا۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے قوانین انسانی فلاح کی بجائے بگاڑ کا موجب بنتے ہیں۔ دنیا ان قوانین و نظریات کا تلخ تجربہ کر چکی ہے۔ اور اب زیادہ دیر تک حقیقت پر تصنع کا پردہ نہیں ٹھہر سکتا۔ پس بلحاظ نظریہ اس جماعت کا اصول اساسی اسلام ہوگا۔ اور اسکی حدود و عمل خدا کے مقررہ اخلاقی ضابطے ہیں۔

ماضی بید میں غرور و غراندہ، ہلاک اور چنگیز کی جو مثالیں ہیں۔ اسی کا عکس آج دول علمی میں نظر آ رہا ہے۔ عصر جدید میں سرمایہ دار جمہوریت کے علمبردار اور اشتراکیت و قومی ملکیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کی انسانی ہمدردیوں سے دنیا اچھی طرح آگاہ ہو چکی ہے۔ یہ آئین و اصلاح کی تحریک اور امن کا انفرنس سب ریاکاریاں ہیں۔ یہ غرور و سرمایہ دار کی خود ساختہ اصطلاحات، اپنی ڈکٹیٹر شپ اور

پوری آبادی کو ایک یونین کے رحم و کرم پر لا ڈالنے کی خاطر ہیں۔ یہ مارشل پلین اور یہ نوآبادیات کے نام سے محکوم ممالک کی فریب خوردہ آزادیاں حاکمیت کی زنجیریں مضبوط کرنے کیلئے ہیں۔ حفاظتی کونسل اور مامونیت کے نام پر جو کمیل کھیلے جا رہے ہیں دنیا اس سے آگاہ ہو چکی ہے۔ پہلی سیاسی جولانگہ اور اصل میدان حرب تو یہی ہے۔ جہاں امن کا نام نیکر جنگ و قتل کے منصوبے باندھے جاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اسلام تمام دنیا کے لئے دائمی امن نامہ ہے۔ جو ایسا قانون حیات پیش کرتا ہے جس میں من حیث النظر مرکزی وحدت اور عملی لحاظ سے کسی ایک قوم یا جماعت کا نہیں۔ پوری انسانیت کی اصلاح و فلاح کا پروگرام ہے۔

اسلامی جماعت کے قیام کا مقصد

اسلام میں جس جماعت کے قیام کی ضرورت واضح کی گئی ہے۔ اس کا مقصد بشت بھی بسیط طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ آیات جن میں اسلامی جماعت کا وظیفہ عمل متعین کیا گیا ہے۔ وہی اسلامی جماعت کے قیام کی محرک بھی ہیں۔

کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط

تم بہتر امت ہو جو اس لئے نکالے گئے ہو کہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اسی مضمون کا پہلا حصہ پارہ دوم کی ابتداء میں ہے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط

اسی طرح ہم نے تم کو امت وسطیٰ پیدا کیا تاکہ تم دوسری قوموں پر گواہ بنو۔ اور تمہارے اوپر بھی گواہ ہے۔

امت خیر اور امت وسط کا وظیفہ عمل شہادت علی الناس ہے۔ مگر جب یہی امت شہادت حق کی بجائے کتمان حق کرنے لگے تو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ قرآن پاک کتمان کو ظلم سے تعبیر کرتا ہے۔

وَمَنْ أَلْفَكَ مِنْكُمْ شَهِدَاةٌ عِنْدَ اللَّهِ ط

اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ظاہر ہو اور وہ اسے چھپائے۔

یکم مطلق نے اس حکمت کو ایک اصطلاح میں بیان کیا ہے۔ ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ ہر انسانی برائی بد اخلاقی منکر کی ترقیف میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر نیکی معروف کے ضمن میں ہے۔ اخلاقیات و حیثیات کی جامع اصطلاح ”مُعرف منکر“ ہے۔ قرآن مجید میں اسی فرض کو مختلف مقامات پر شروع و ببط ہے بیان کیا گیا ہے۔ انبیاء کرام کی بشت کا مقصد بھی یہی تھا۔ جس کا انتہائی مرحلہ انقلاب امامت ہے۔

آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل مسلمانوں کی جماعت نے اس مقصد کو یکدم دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے دین حق کی دعوت دی تھی۔ اس سے پہلے بھی داعیان اسلام نے اسی حق کی طرف انسانوں کو پکارا تھا۔ سینا حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک قول کتاب یوحنا سے منقول ہے۔ کتاب یوحنا باب ۱۸ نمبر ۳ میں پیلاطس بادشاہ اور یسوع کا ایک مکالمہ ہے۔

پیلاطس نے اس سے کہا پس کیا تو بادشاہ ہے۔ یسوع نے کہا تو خود کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں اسے پیدا ہوا ہوں اور اس واسطے دنیا میں آیا ہوں کہ حق پرگواری دوں جو کوئی حقانی ہے۔ میری آواز سنتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے۔ حذیفہ کہتے ہیں۔ نبی صلعم نے فرمایا۔ قسم اس فات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ (دو باتوں میں ایک بات ضرور ہوگی) تم البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے۔ (اور یا) عنقریب خداوند تعالیٰ تم پر عذاب نازل کرے گا۔ اس وقت تم خدا سے دعا کرو گے۔ اور تمہاری دعا قبول کی جائیگی۔ (رواہ الترمذی)

نبی اکرم صلعم کی پوری زندگی اس فرض کے ادا کرنے میں صرف ہوئی۔ غار حرا میں نزول وحی اور بعثت نبوت کے بعد سب سے پہلے انڈیا میں دعوت دی گئی۔ یہ پیغام ایک مرکزی نظریہ۔ اسوۃ اللہ کی نفی اور کلینۃ اطاعت الہی تھا۔

دعوت کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز ایمان باللہ و ایمان بالرسالت تھا۔ فی الواقع اسلام کی بنیاد ہی صرف اس عقیدہ پر ہے جس کے اقرار کے بعد ہر ایماندار اسلام کے دائرہ خلد میں شامل ہو جاتا ہے۔ مخاطبین کو نہ تو نماز اور روزہ پر آمادہ کیا جاتا تھا اور نہ کسی اخلاقی ضابطہ کا بوجھ ڈالنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ دعوت کا پہلا مرحلہ ہی اقرار توحید اور ایمان رسالت تھا۔ یہ گویا اسلامی کا پیغام شرک تھا۔ جس کے تسلیم کرنے کے بعد انسان اسلامی سوسائٹی کا رکن سمجھا جاتا تھا۔ اصلاح سیرت اور اخلاقی تعلیم ایک ترتیب و تدریج کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ جس میں تکلف و تفتیش کی ضرورت نہ تھی۔ غیر معمولی اصلاح تو اسلامی سوسائٹی کی صحبت اور خفا صبر صالحہ کے خیالات سے ہو جاتی تھی اس موثر پیرایہ سے سرکش طبائع بھی رفتہ رفتہ تبادلاً حال پر آ جاتی تھیں۔ اور یہ تبدیلی دبیہ النفس سے زیادہ غیر محسوس تھی۔ صرف کلمہ طیبہ کے اقرار اور جماعت کے تعاون سے یہ تبدیلی آ جاتی تھی۔ ورنہ انفرادی طور پر طبیعت کا سیلاب کہیں نہیں رک سکتا۔ مبلغین و نادان اسلام کا مختلف مقامات کا سفر، میلہ و عکاظ کا وعظ و کوہ صفا کی چوٹیوں کا پیغام اور جہاد یہ سب ظاہر کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصد انسانوں کو صرف صالح، عابد، خدا ترس اور با اخلاق بنانا نہیں۔ بلکہ انکا ایک اجتماعی نظام قائم کر کے اسے حصن حصین اور پابندہ و جاوید بنانا ہے۔ بلکہ افراد صالح کے اجتماع سے ایک ایسا ادارہ قائم ہو جائے جسے باطل طاقتیں شکست نہ دے سکیں۔

جماعتی زندگی کی تخلیق کیلئے سب سے پہلے اکابرین قوم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے سب سے پہلے کوہ صفا پر چڑھ کر اقربین کو پکارا ”یا معشر قریش“! اگر تم ایمان نہ لائے تو شدید عذاب نازل ہوگا اس سے چند روز بعد سرداران قریش کو ایک دعوت میں مدعو کیا۔ اور فرمایا۔ ”میں چیز میکرا یا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کھینچ رہا ہوں۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے“ اس طرح تھوڑے عرصہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے۔ یہ واقعات اس ادعا کی شہادت ہیں۔ کہ تقویٰ و انسانیت کی دعوت کے ساتھ اجتماعیت کا پیغام گویا عملاً متقی و انسان بنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج علوم کی فروانی کے باوجود صرف اقوال کا تقدس پایا جاتا ہے۔ اعمال کا تقویٰ مفقود ہے۔

انفرادیت و اجتماعیت

اس مقام پر اجتماعیت و انفرادیت کا کچھ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں جو باہمی تاثر پایا جاتا ہے۔ اس کا بیان نہ کرنا مضمون کو غیر مکمل رکھنا ہے۔ جو امور اجتماعیت سے متعلق ہیں۔ انکو عوامل میں لانے کیلئے اجتماعی صورت ناگزیر ہے۔ انفرادیت کا دائرہ اسکے لئے تنگ ہے۔ جب کسی قوم کی اجتماعی حیثیت پر انگہ و ہتھکڑی ہو جاتی ہے تو وہ اس قابل نہیں رہتی کہ ارتقاء زمان کا ساتھ دے سکے۔ افراد جو کام من حیث الفرد نہیں کر سکتے۔ اجتماعیت میں اتنے آسان ہو جاتے ہیں کہ ہر شخص انہیں اپنی عادت مستمرہ تصور کرتا ہے۔ دلیر، جری، جیم و فہیم اور عاقل و عالم منفرد انسان وہ کام نہیں کر سکتا جو معمولی حیثیت کا انسان اجتماعی شکل میں کر سکتا ہے۔ اسکی ایک واضح مثال قیام پاکستان کے ایام میں مل سکتی ہے۔ جب شریف و رزویل، عالم و جاہل، غرض ہر طبقے نے ایسے کام ایک دوسرے کی تائید میں کر دئے جو اکیلا و تنہا ہونے کی صورت میں ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی جری انسان یہ برأت نہیں کر سکتا۔ کہ علانیہ طور پر مکانات کو جلا کر خاک کر دے۔ انسانوں کو بلا کسی جرم کے ذاتی طاقت کے بل پر قتل کرتا جائے۔ اشیاء غیر مخلوکہ پر اس طرح کبھی قویاں و رازہن بھی ہاتھ صاف نہیں کرتے۔ اور اس سے بڑھ کر صنف نازک عصمتیں جس بد اخلاقی سے پامال کی گئی ہیں تاریخ ماضی اسکی مثال سے قاصر ہے۔ یہ سب کچھ اجتماعیت پر ہوا۔ اور اس لئے بلا خوف ہوا کہ کوئی کسی کو مورد مطعون نہیں کر سکتا۔ اگر اسی کام کو ایک انسان کرتا تو اب بھی جبکہ ہر شخص بجائے خود مجسم درندہ ہے۔ اسے انسانیت کا انتہائی دشمن تصور کیا جاتا ہے۔

اجتماعیت ایک مشینری ہے۔ جس کے اندر سے ایسے آلات تیار ہو کر نکلتے ہیں۔ جو ناقابل تسخیر امور سرانجام دیتے ہیں۔ دنیا میں جو اشیاء نایاب ہیں۔ ان کے حصول کے لئے ہر شخص ذاتی طور پر اپنے آپ کو تیار نہیں کر سکتا۔ آج اگر ہم میں سے ہر شخص یہ چاہے کہ دوسروں کو اسلام کا مکلف بنائے بغیر اسلام کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ تو یہ تصور تغلیط سے ہمنما ہے۔ مگر جب اجتماعی سعادت حال پیدا ہو جائے

تو وہ عوامل جو انفرادیت میں محال تھے اب معمول بہ بن جاتے ہیں۔ اور وہ ماحول بلا کسی ذاتی کاوش کے پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اسلام کے اقتضا کے مطابق ناگزیر ہے۔ افراد جماعت کی ہر حرکت کو اپنے دل کی آواز محسوس کرتے ہیں۔

کتاب و سنت میں بتکرار جماعت بندی پر زور دیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر جماعت کو رحمت اور انتشار کو اخف قرار دیا ہے۔ مشکوٰۃ کی ایک حدیث اس پر فلسفیانہ انداز سے روشنی ڈالتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے اگر تم اپنے گرد و پیش کے افراد اور دوسرے انسانوں کو نیکی اور تقویٰ کے معیار پر نہ لائے تو بہت ممکن ہے کہ تم بھی بد اخلاقی کی اسی آلائش میں مبتلا ہو جاؤ جیسے دوسرے انسان ہیں۔ ابتلاعی تجارت کی کامیابی کا فلسفہ ایک مثال سے بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ دنیا میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ عاقل، محنتی، دیندار، با اخلاق صاحب علم و عقل انسان کلیتہً معدوم ہو گئے ہوں اور نہ کبھی کسی قوم کے اندر صالح، دیندار، فہیم انسان بالکل ختم ہوئے ہیں۔ اوصاف حسنہ کے حاملین ہمیشہ اقلیت میں رہے ہیں۔ خاتمہ کبھی نہیں ہوا۔ اور یہ اقلیت اکثر منتشر ہی رہتی ہے۔ اگر یہ اقلیت ہی پراگندگی کی بجائے مجتمع صورت میں ہوں تو انقلاب کی امید ناگزیر ہے۔ واقعہً غلبہ و اقتدار ہمیشہ غیر صالح طبقہ کے ہاتھ میں رہا ہے۔ اب اس سے ایک دلیل از خود مستنبط ہو جاتی ہے۔ کہ جب صالحین کا مطلقاً استیصال کبھی نہیں ہوا۔ پھر غیر صالحین کیوں مقتدر اور غالب رہتے ہیں۔ اور صالحین کو انکی اقلیت ہے کیوں گنہگار و مقہور رہتے ہیں۔ انکی اقلیت کی کمی انکی اخلاقی قوت کے زور سے پوری ہو جاتی ہے۔ بلکہ انسانی ایک قوت دوسری سے بہار و عافی قوتوں پر مادی ہو سکتی ہے۔ علم النفس کا ماہر اسپر شرح و بسط کے ساتھ بحث کرے گا۔ لیکن یہاں علوم کی بحث نہیں۔ واقعہ کی دیں پیش نظر ہے۔ ایک سطحی نظر ڈالنے سے ہی ہمیں معلوم ہو جاتا ہے۔ افراد کی صالحیت انکی ذات تک محدود ہے۔ اس سے خود استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن دوسروں کے اندر ذہنی انقلاب پیدا کرنے کی اسپرٹ نہیں ہے۔ انکا دہر و دوع نفس لتیم کی اصلاح کا باعث بن سکتا ہے۔ انسانوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ گوشہ عزلت میں تسلیات کو گردش دے سکتے ہیں۔ مگر انسانی طبائع کی گردش کی کوشش نہیں کرتے۔ کوئی انسانی اجتماعی ادارہ قائم نہیں کر سکے۔ جہاں صلح و عنایہ مجتمع ہو کر اپنے اخلاق و تقویٰ کو دوسروں تک پہنچا سکتے۔ اگر تمام دنیا کے انسان غیر اجتماعی صورت میں صلح بن جائیں تاہم اسکا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ انکے تقویٰ کی حفاظت کے لئے اجتماعی کا حصن حصین تیار نہیں کیا گیا۔ صلح و عنایہ سیرۃ کی اصلاح اور کماں تقدس سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔ جب تک ایک مرکزی مقام متعین کر کے تمام نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے پیغام حق نہ دیں۔ اجتماعی ایک نظام العمل پر قائم ہو۔ جو باطل کے استیصال کے لئے پوری قوتوں سے مستعد ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد منشاء الہی کی تکمیل کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ اقتدار حق کے لئے قائم رہو۔ جسکا ذریعہ اجتماعی ہے۔ اور جسکے لئے نظم و

ضبط اور عقل و علم مستلزم ہیں۔ یہ نفسیاتی اثر ہے کہ افراد اس وقت تک آمادہ عمل نہیں ہوتے تا وقتیکہ ایک جماعتی قوت اسکی پشت پر موجود نہ ہو۔ جماعت کی شمولیت سے افراد کے اندر انفرادیت کا احساس مفقود ہو جاتا ہے اور افراد اپنے افعال میں تنہا خود کو جوابدہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ پوری جماعت انکے ساتھ شریک ہوتی ہے۔ اجتماعی قوت کا احساس افراد کے اندر یقین، عمل اور اخلاقی قوت پیدا کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ اعظم اعمال صرف جماعت کے ہاتھوں صادر ہوئے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوا تنہا کسی انسان نے معمولی انقلاب بھی پیدا کر دیا ہو۔

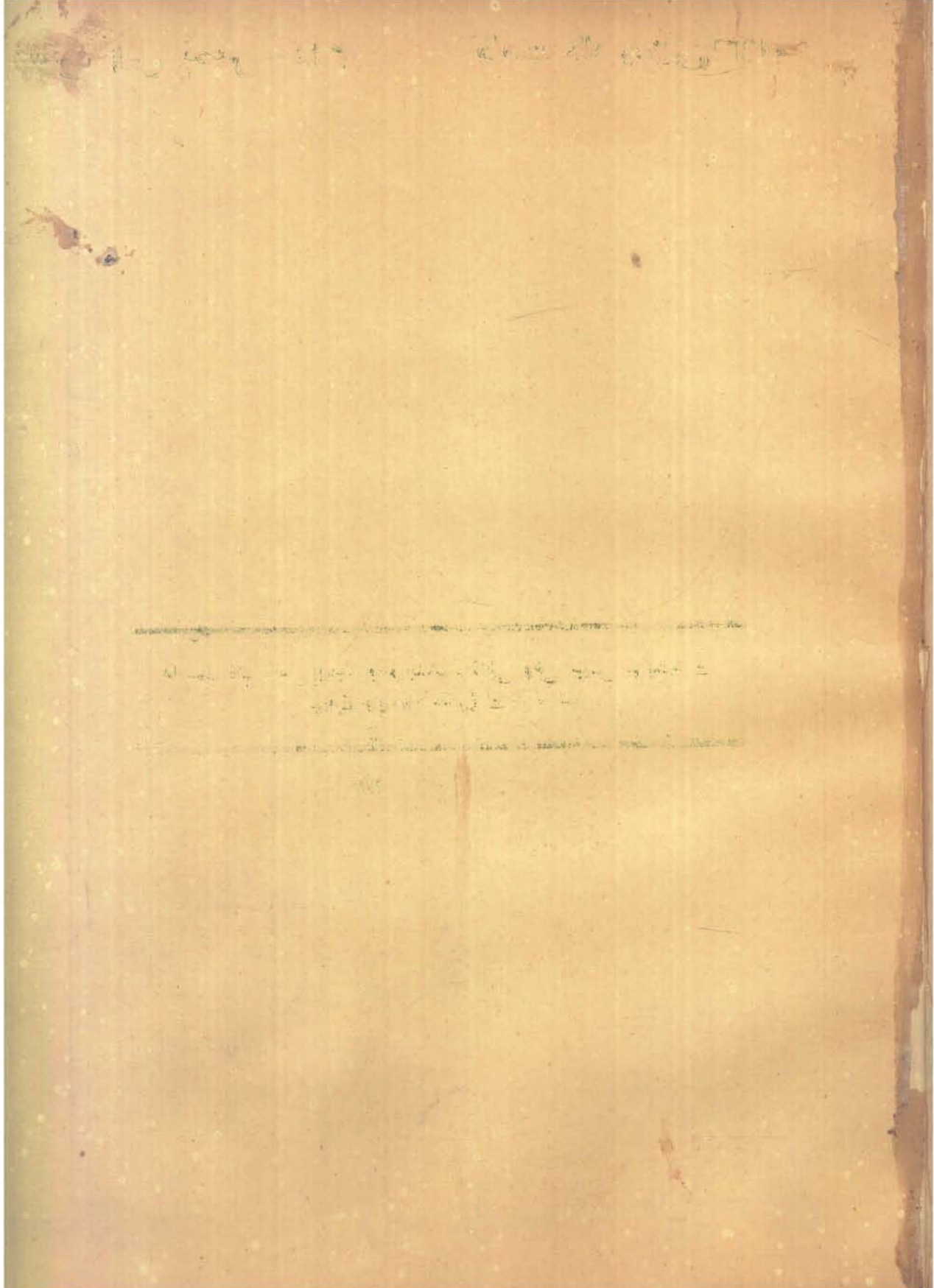
دعوت کا اصول

اجتماعیت کی اہمیت، اسلامی جماعت کا قیام اور انفرادیت و اجتماعیت کا افریق بیان کرنے کے بعد اس جماعت کے اصول دعوت یا اسلامی جماعت کے وسائل تاثیر و عمل کا کارنامہ ضروری ہے۔ اجراء و قیام کے بعد ہر جماعت ایک وظیفہ عمل ہوتا ہے۔ ”شاعت و دعوت“ عوام کے اندر اپنے ادعاء کا اظہار۔ مقصد جماعت کی اشاعت و توسیع، سامعین و مخاطبین کو اپنے موقف کی طرف ترغیب و ترہیب دلانا۔ اسکے اغراض و مقاصد اور اصول و عوامل کھول کھول کر بیان کرنا۔ تاکہ جماعت جس مقصد کو یکر قائم ہوتی ہے انسانوں کی کثیر تعداد اس پر مجتمع ہو جائے۔

اس مقام پر ہر داعی کیلئے کچھ سبب آزمائے درپیش آتے ہیں۔ جتنا خود کمال اہم ہے۔ اسکا حصول بھی اتنا ہی مشکل ہے۔ دعوت و اشاعت کا ایسا موثر انداز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جس سے اس بے کیف پیغام کی چوست بھی تفرک کا باعث نہ ہو۔ اور اصل مقصد کے اظہار میں مبالغہ بھی نہ کیا جائے۔ داعی حق غیر اختیار پر لا حاصل مباحث میں نہ الجھ جائے۔ دلائل و براہین میں سقم اور نقص نہ ہو۔ اذالہ شکوک میں تنازع و مجاہدہ پیدا نہ ہو۔ تبادلہ خیال میں مقصد سے دور نہ ہٹنے پائے۔ اس جگہ نفسیاتی تاثرات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں۔ یوں تو ہر داعی کو کم و بیش انسانی نفسیات کا راز دان ہونا چاہیے۔ ورنہ جماعت اپنے پروگرام طریق العمل میں اس شق کو ملحوظ رکھے۔ اکثر جماعات کی حیات نفسی کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اپنے مخاطبین کو صرف شرکت جماعت کی دعوت دے۔ خصوصاً موجودہ مسلمانوں کیلئے اس طریق کا استعمال مفید ہے۔ اسلام کی اشاعت کرنیوالوں کو زیادہ مشکل اسلئے ہے کہ یہ جماعت اب سانسورہ ہو چکی ہے۔ نئی جماعت کی داغ بیل رکھنا اور اسے پرورش کرنا اتنا مشکل کام نہیں۔ جتنا پرانی جماعت کا احیاء و قیام دشوار ہے۔ اکثر افاظ کثرت استعمال کیوجہ سے اپنا اثر ضائع کر دیتے ہیں۔ اس طرح اسلام کا لفظ کثرت استعمال کیوجہ سے صلہ کم بن چکا ہے۔ ہمیشہ ملت کی ترقی و تنزل کا انحصار تعلیم یافتہ طبقہ پر ہوتا ہے۔ یہاں اس کا یہ حال ہے کہ مغربی نظائر کے متاثرین اسکا نام سننے ہی اسکی قدامت کا احساس کرتے ہوئے اپنے اٹھ ایک ہڈیہ عقارت پاتے ہیں۔ اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ داعیان اسلام دعوت حق سے دستکش ہو جائیں۔ یا کوئی ایسا انداز اختیار کریں جو اسلام کی روح سے متضاد و منافی ہو۔ بلکہ از روئے عقل و حق ایسے پیرایہ سے جو موثر ثابت ہو، اقامت دین کی دعوت دینی چاہئے۔ اسکا بہترین ذریعہ جماعتی نظام کی دعوت ہے۔ آخذاً اسلام کی دعوت کا طریقہ

اور اسکا تجزیہ کرنے سے بھی اسی کی شہادت ملتی ہے۔ ہمارے مبلغ جب اسلامی حمایت میں نام نہاد مسلمانوں کو اسلام کی متعین کردہ روش پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں تو اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ وہ ٹال مٹول یا انتہائی بحث و مجادلہ سے کام لیتے ہیں۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَفَعِي جَبَلِ لَا۔ کیونکہ اسلام تو ایک مسخ شدہ صورت میں پہلے ہی انکے پاس موجود ہے۔ اور ان نسلی روایات میں یہ کسی قسم کا تغیر قبول کر سیکے لئے تیار نہیں مسلمانوں کی نسل کا سارٹیفکیٹ انہیں حدود اسلام سے خارج بھی نہیں کر سکتا۔ نفسانی خواہشات کا ہجوم اسقدر غالب ہے کہ انکی روحانیت اسکا مقابلہ کر نیسے عاجز ہے۔ ارکان غمہ کی اہمیت سے کون سا کلمہ گونا واقف ہے۔ تقویٰ کی اس ظاہری صورت کا اگر یہ مکلف ہونا گوارا نہیں کرتا تو نیکی اور اخلاق کی دوسری پابندیاں اسکے نزدیک کب درخور اعتنا ہیں۔ صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا کچھ اثر اگر ہو سکتا تھا تو دور انحطاط سے بعد آج تک انہیں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ انکا اثر یہ چلے گئے تھا کہ مسلمانوں کی عزت و فخر کو ذلت و مسکنت سے بھی متبدل نہ ہونے دیتے۔ درحقیقت ان ظاہری احکام کے اندر جو روح کار فرما ہے وہ مفقود ہے۔ اسکے علاوہ اس سے زیادہ بھی اسلام اپنے متبعین سے مطالبہ کرتا ہے۔ وہ اجتماعی تنظیم کا حکم ہے۔ آج تک حضرات متکلمین، محدثین، فقہاء و علماء اور سلف صالحین نے تعمیری جدوجہد میں کچھ کمی نہیں چھوڑی۔ خدا کا منشا دوسرے انسانوں تک پہنچانے اور عمل صالح کی ترغیب دینے میں زندگی کی پوری قوتیں صرف کر دی ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اگر آج علانایاب ہے تو مسطورا اسکی تشریحات و تفسیر کے دفاتر بھرے پڑے ہیں۔ باوجود اسکے اسلام مسلمانوں کی زندگی سے دور ہوتا چلا گیا۔ اس فصل و بعد کا نتیجہ ہی تھا کہ اسلام غلبہ و فراز و ادائی کے مقام سے مسلمانوں کے ہاتھوں فقر و ذلت میں جاگرا۔ غور کر نیسے اسکا سبب جماعتی زندگی کا فقدان معلوم ہوتا ہے۔

اسلام میں بلحاظ نظریہ ایک جہانگیر وحدت فکری پائی جاتی ہے۔ ایک اند کا تصور ایک سید الانبیاء کی رست پر یقین اور ایک قانون سمدی کا اقرار، یہ تمام تصورات فی اللہ ایک مکمل اجتماعی نظام کی اساس ہیں۔ لیکن مسلمان در کتاب و مسلمان در گور کے مصداق مسلمان اقوام عالم کی طرح ایک قوم بنکر رہ گئے ہیں۔ بلکہ ان کا قومی معیار اور وقار دوسروں سے بھی پست تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جماعتی نظام مفقود ہونے کی وجہ سے کوئی طریق کار اور داعی بھی متعین نہ ہو سکا۔ انکا موقف انکی اکثریت کے غلط تصور میں فنا ہو گیا۔ اور مسلمان میدان عمل میں شتر بے ہمار بن گئے۔ نظام اور عمل کے بغیر کبھی کوئی قوم یا جماعت ترقی نہیں کر سکتی۔ قوم کے عروج و زوال اور شیب و فراز کی حکمت کو نہ نظر رکھتے ہوئے اسلام نے ایک دائمی اصول مقرر کر دیا ہے۔ کہ مسلمانوں کے اندر ایسی جماعت کا قیام فرض ہے۔ جو اقامت دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرضہ ادا کرے۔ کتاب و سنت میں جہاں دوسری نیکیوں کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں اس اجتماعی نیکی کو بھی بنکر فرض قرار دیا ہے۔ چونکہ مسلمان ایک ایسے دور سے ہٹنا نہیں چاہتے نیکی و تقویٰ کی دعوت صدا بصرا ثابت ہو رہی ہے۔ اسلئے جماعتی نظام کے بعد مسلمانوں کو ایک مقام پر جمع کر کے اور انکی اخلاقی اصلاح کا کام اس صورت سے ہو سکتا ہے کہ انہیں اس جماعت کے اشتراک کی دعوت دی جائے۔ (باقی آتی ہے)



باہتمام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر - ثنائی برقی پریس سرکودھا سے
چھپائے بھیرہ (پاکستان) سے شائع ہوا
